بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں۔"

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ ربوہ

جلد ۲۹ ——— شمارہ ۶

شہادت ۱۳۶۱ھ ؛ اپریل ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

خالد مسعود، ایم۔ اے

نائبین

منصور احمد عارف ؛ محمود احمد اشرف

الفہرست

پبلشر: مبارک احمد خالد ؛ پرنٹر: سید عبدالحی ؛ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ربوہ۔

قیمت سالانہ: پندرہ روپے ؛ قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ پچاس پیسے۔

کتابت: نورالدین خوشنویس ربوہ ؛ رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۸۳۰

اداریہ

مرکزی تربیتی کلاس

جماعت کے نوجوانوں میں علوم دینیہ سے متعارف کرانے اور عملی تربیت کے لئے سیّدنا حضرت مسیح موعود کے ارشاد کی تعمیل میں مجلس خدّام الاحمدیہ مرکزیہ ہر سال ایک پندرہ روزہ تربیتی کلاس منعقد کرتی ہے۔

امسال یہ کلاس مورخہ ۲۳ شہادت (اپریل ۸۲ء) تا ۶ ہجرت (مئی ۸۲ء) منعقد ہو رہی ہے۔ اس کلاس کے بارہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا تاکیدی ارشاد ہے کہ:۔

"بلا استثناء تمام مجالس خدّام الاحمدیہ کی نمائندگی اس میں لازمی ہے"

خدّام بھائیوں کو چاہیئے کہ اپنے امام کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس مرکزی تربیتی کلاس میں شامل ہو کر اس کی برکات سے مستفیض ہوں۔

جملہ قائدین مجالس و اضلاع، اُمرائے کرام، مربیان اور معلّمین حضرات سے درخواست ہے کہ حضور ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں ہر مجلس سے نمائندگان بھجوانے کے لئے خصوصی مساعی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں نیز کلاس کے بخیر و خوبی انعقاد اور اس کے کامیاب اور بابرکت ہونے کے لئے دُعا بھی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم

(محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ۔ ربوہ)

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

(الفتح : ۲ تا ۴)

ترجمہ :- ہم نے تم کو ایک کُھلی کُھلی فتح بخشی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تیرے متعلق کئے گئے وہ گناہ بھی جو پہلے گذر چکے ہیں ڈھانک دے گا اور جو اب تک ہوئے نہیں (لیکن آئندہ ہونے کا امکان ہے) اُن کو بھی ڈھانک دے گا اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور تجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ اور اللہ تیری شاندار مدد کرے گا۔

فتح حدیبیہ

آج سے ۱۳۵۵ سال قبل حدیبیہ کے مقام پر جو ماجرا گزرا عموماً مؤرخین اُسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن میں اس کا ذکر فتح حدیبیہ کے عنوان کے تحت کروں گا کیونکہ اِس واقعہ کو خدا تعالیٰ نے اِسی نام سے موسوم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح کی آیات میں جن کی میں نے تلاوت کی ہے حدیبیہ کی وادی میں ہونے والے اِس عظیم الشان واقعہ کو فتح مُبین کا نام دیا گیا ہے۔

آج کی تقریر بھی جو غزواتِ نبوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کے عنوان کے تحت کی جا رہی ہے سلسلہ وار مضمون کی ایک کڑی ہے جو گذشتہ چار سال سے جاری ہے۔ آج میں فتح حدیبیہ کے تاریخ ساز لمحات کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم اور بے مثل قائدانہ صلاحیتوں سے متعلق کچھ گفتگو کروں گا۔

فتح مکّہ تاریخِ اسلام میں ایک عظیم سنگِ میل کی

حیثیت رکھتی ہے اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری یقیناً اس امر سے اتفاق کرے گا کہ فتح مکّہ دراصل فتح حدیبیہ ہی کا ایک ذیلی عنوان ہے اور اسی کے طبعی نتیجہ کے طور پر رُونما ہونے والا ایک واقعہ ہے کیونکہ دراصل حدیبیہ کے میدان ہی میں فتح مکّہ کی قطعی داغ بیل رکھ دی گئی تھی۔

ہر چند کہ مضمون کا تعلق تاریخی نقطۂ نگاہ سے اس غزوہ کی تفاصیل بیان کرنا نہیں بلکہ محض اس دَوران ظاہر ہونے والے خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل نواز جلووں پر گفتگو کرنا ہے مگر بات کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی حد تک وہ پس منظر بھی پیش کیا جائے جس کے جلَو میں نُورِ مصطفویؐ ایک منفرد شان کے ساتھ جلوہ گر ہُوا۔

یہ سَن چھ ہجری کا واقعہ ہے غزوۂ اُحد کو تین سال گزر چکے تھے۔ عرب کی فضا بظاہر خاموش اور پُرسکون تھی لیکن اسلام کے خلاف فتنے اندر ہی اندر پنپ رہے تھے اور کسی بھی وقت شمال اور جنوب کی سمتوں سے سر اُٹھانے کو تیار تھے۔ شمال کی جانب سے سب سے بڑا خطرہ خیبر اور اس کے ماحول میں بسنے والے یہود کی طرف سے تھا جو مشرکینِ عرب کے ساتھ اپنی ساز باز میں ناکامی کے بعد اب قسطنطنیہ کی عظیم عیسائی سلطنت کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اندر ہی اندر سازش کی ایک ہولناک کھچڑی پک رہی تھی۔ پس کسی بھی وقت سلطنتِ روما کی عظیم طاقت کی پُشت پناہی کے ساتھ قبائل یہود مدینہ کے شمال کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ایک مُہیب خطرہ بن سکتے تھے۔

جنوب کی طرف سے آنے والا خطرہ قریشِ مکّہ کی سرپرستی میں پرورش پا رہا تھا جو بعض جنگجو مُشرک قبائل عرب میں ایک دفعہ پھر اپنا رسُوخ بڑھا کر ان کو اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کُن جارحانہ کارروائی کے لئے تیار کر رہے تھے چنانچہ بنو بکر کے علاوہ انہوں نے عرب کے مشہور تیر انداز اور بے جگری سے لڑنے والے احابیش کے ساتھ بھی دوستی کی پینگیں بڑھانی شروع کر رکھی تھیں۔

اہلِ مدینہ ان دبے ہوئے طوفانوں کے وجود سے بے خبر اپنے روزمرّہ کے کاموں میں مصروف پُرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ان میں ایک شب بیدار صاحبِ بصیرت وجود ایسا بھی تھا جو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا تھا اور کوئی ظاہری حجاب اس کی دُور رَس باریک بین نگاہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ اُن دونوں خطرات سے خوب باخبر تھے لیکن آپؐ کا دستورِ زندگی یہ تھا کہ وحیٔ الٰہی کی ہدایت کے بغیر نہ تو کوئی فیصلہ فرماتے نہ کوئی اقدام کرتے۔ پس گو نورِ بصیرت ہر لمحہ بھڑک اُٹھنے کے لئے تیار تھا لیکن نور اللہ کے اس جلوے کا منتظر تھا جو آپ کے ہر فیصلہ اور ہر اقدام کو نُورٌ علیٰ نُور بنا دیا کرتا تھا۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے کہ خیرالماکرین عالم الغیب خدا کا فیصلہ ایک رات عجیب رنگ میں ظاہر ہُوا اور مسلمانانِ مدینہ کو اس فیصلہ نے حیران کر دیا۔ رؤیا کی صورت میں وحیٔ الٰہی نازل ہوئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری عطا کی گئی کہ مسلمان سر منڈاتے اور بال کتراتے ہوئے مسجدِ حرام میں داخل ہو رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ پس اِس وحی سے یہ استنباط کرتے ہوئے کہ حج بیت اللہ کی جو خوشخبری دی گئی ہے وہ اسی سال پوری

ہو گی۔ آپ نے اہلِ اسلام میں یہ منادی فرما دی کہ حج بیت اللہ اور عمرہ کی تیاری کریں اور اچانک اِس اعلان کے ساتھ مدینہ کی فضا گہما گہمی سے گونج اُٹھی اور ہر طرف ذوق وشوق کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کی تیاری ہونے لگی۔

جلد ہی خدا کے درویشوں کا یہ قافلہ اللہ کی محبت میں سرشار سرتاجِ عشاق صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ تلواروں کے سوا جو عربوں کے لباس کا حصہ تھیں کوئی سامانِ جنگ ساتھ نہ تھا کسی مقابلہ کا وہم وگمان بھی کسی دل میں نہ گزرا تھا ہاں زادِ راہ اور قربانی کے لئے ستر اُونٹ ساتھ تھے۔ یہ قافلہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ مکہ کی طرف جا رہا تھا ذوالحلیفہ کے مقام پر جو مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے غلاموں نے قدیم دستور کے مطابق احرام باندھا اور اُونٹوں کے پہلو قربانی کی علامت کے طور پر داغ دیئے اور لبّیك اللّٰھمّ لبّیك کا عاشقانہ وِرد کرتے ہوئے ایک بار پھر بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلا شدید دھکا ان کی امیدوں کو اس وقت لگا جب مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر عسفان کے مقام پر ان کو معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ ہر قیمت پر انہیں حج اور عمرہ سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس غرض سے خالد بن ولید اور عکرمہ کی قیادت میں ایک دستہ مسلمانوں کے پڑاؤ کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے جس میں دو سو فنِ حرب میں طاق گھوڑ سوار نوجوان بھی شامل ہیں۔ وہ ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس یہ عزم کر کے گھروں سے نکلے ہیں کہ خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے لیکن مسلمانوں کو مکہ کی سمت آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔

یہ خبر جہاں مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کے لئے ایک تازیانہ کا کام کر گئی اور وہ جان پر کھیل کر بھی اپنے مقصد کو حاصل کرنے پر آمادہ ہو گئے وہاں اس خبر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ صافی پر ایک بالکل مختلف اثر دکھایا۔ آپ نے پیش آمدہ حالات کا بڑی طمانیت کے ساتھ جائزہ لے کر ایک فیصلہ کیا جو صحابہؓ کے فیصلہ سے بالکل مختلف تھا اور اہلِ قافلہ سے یہ سوال کیا کہ کیا کوئی ہے جو مجھے ایسے راستہ سے مکہ تک پہنچا دے جو گشت وخون کی راہ سے نہ گزرے اور حریف سے لڑے بغیر ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ حاضرینِ مجلس میں سے ایک نے حامی بھری اور اپنے کمالِ فن کا اِس طرح مظاہرہ کیا کہ ساحلی راستہ سے مغرب کی طرف گریز کرتے ہوئے صحرائی ٹیلوں اور گھاٹیوں کے بیچ سے راہ بتاتا ہوا مسلمانوں کے قافلہ کو مدِمقابل کی آنکھ سے صاف بچا کر لے گیا اور جب تک یہ قافلہ مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کی وادی تک نہ پہنچ گیا خالد بن ولید اور عکرمہ کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ قدوسیوں کے اِس قافلہ کو پڑاؤ کی تیاریوں میں مصروف چھوڑتے ہوئے ہم ذرا ایک لمحہ توقف کر کے اطمینان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ پر غور کرتے ہیں کہ کیوں آپؐ نے صحابہؓ کے جوش وخروش کو نظر انداز کرتے ہوئے حملہ آور دشمن سے مقابلہ کرنے کی بجائے انحراف کا طریق اختیار فرمایا۔ بات یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فلسفۂ شریعت کے

راز دان تھے خوب جانتے تھے کہ حج بیت اللہ اور جنگ و جدال دو متضاد چیزیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ پس چونکہ یہ سفر قتال کی نیّت سے نہیں بلکہ خالصتہً حج بیت اللہ کے قصد سے اختیار کیا گیا تھا اِس لئے لڑائی کے ساتھ ہی یہ مقصد فوت ہو جاتا اور یہ سارا سفر بے کار جاتا پس دشمن سے پہلو بچا کر گزر جانا کوئی جنگی چال نہ تھی بلکہ مقصدِ اعلیٰ کی حفاظت کے لئے ایک نہایت حکیمانہ فیصلہ تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکّہ کے اِتنا قریب پہنچ کر آپ حدیبیہ کے مقام پر کیوں ٹھہر گئے اور رُکے بغیر کیوں نہ مکّہ میں داخل ہو گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ آپ کا اپنا نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر نے اُنگلی اُٹھا کر آپ کو وہاں قیام پر مجبور کر دیا۔ ہؤا یوں کہ حدیبیہ پہنچ کر آپ کی اُونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اُٹھنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ قافلہ میں شامل بعض اصحاب نے اسے شگون سمجھا مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! اِس اُونٹنی کو اُسی خدا نے بٹھایا ہے جس نے اصحابِ فیل کو مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس جزوی مماثلت کے بیان سے صحابہؓ پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ تمہیں خونریزی سے مکّہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن بلاشُبہ اپنے ربّ کی زبان کو جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے اَور کون سمجھنے کی مقدرت رکھتا تھا پس آپؐ کا اس وادی میں قیام کا فیصلہ فرمانا تقدیرِ الٰہی کے تابع ایک فعل تھا۔ اس قافلہ میں چونکہ غیر مسلم عرب قبائل کے بعض نمائندگان بھی شریک تھے اِس لئے ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے دل میں شُبہ گزرتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ تقدیرِ الٰہی کے نتیجہ میں نہیں بلکہ محض ایک اتفاقی حادثہ یا شگون ہے۔ پس بہت جلد اللہ تعالےٰ کی طرف سے اپنے بندے کی تائید میں ایک ایسا چمکتا ہؤا نشان ظاہر ہؤا جو توہمات کے اندھیروں کو روشنی میں بدلنے والا تھا۔ ہؤا یوں کہ حدیبیہ کا کنواں جس کی طرف وہ میدان منسوب ہوتا ہے وہاں پانی کے حصول کا واحد ذریعہ تھا لیکن اس میں پانی اِتنا تھوڑا تھا کہ چند آدمیوں کی ضرورت کا کفیل بھی نہ ہو سکا اور کنواں سُوکھ گیا۔ اس پر صحابہؓ پریشان ہوئے کہ پانی کے بغیر زندہ کیسے رہیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اِس پریشانی کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے دعا کے ساتھ اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا کہ اِس کنوئیں کی تہ میں اسے گاڑ دو۔ چنانچہ اِس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور مسرت بھری حیرت سے سب نے یہ ماجرا دیکھا کہ جہاں تیر گاڑا گیا وہیں سے پانی کا بھرپور چشمہ اُبل پڑا جو اہلِ قافلہ کی تمام ضروریات کا کفیل ہو گیا۔

حدیبیہ میں پڑاؤ چند روز جاری رہا۔ اِس دَوران قریشِ مکّہ کے ساتھ گفت و شنید ہوتی رہی جس کا آغاز اہلِ مکّہ کی طرف سے ہی ہؤا۔ انہوں نے تین قاصد بنام بُدیل بن ورقاء، مکرز بن حفص اور حلیس کو یکے بعد دیگرے اِس غرض سے بھیجا کہ مسلمانوں کی قوّت اور آنے کے اصل مقصد کا جائزہ لے کر کفّارِ مکّہ کو رپورٹ کریں۔ دوسرے اگر بس چلے تو ڈرا دھمکا کر اس قدر مرعوب کر دیں کہ وہ مکّہ میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر کے از خود ہی اُلٹے پاؤں واپس لَوٹ جائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل

فراست کا یہ کرشمہ تھا کہ ہر آنے والے کے مزاج کے مطابق طرزِ عمل اختیار فرماتے اور بجائے اِس کے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لَوٹ جانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوتے خود ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت حکیمانہ طرزِ عمل سے متاثر ہو کر یہ یقین لئے ہوئے واپس لَوٹتے کہ آپ کے ساتھ قریشِ مکّہ زیادتی کر رہے ہیں اور آپؐ کو بیت اللہ کے طواف سے روکنا نہ تو قرینِ مصلحت ہے نہ قرینِ انصاف۔ قریش ان قاصدوں کا جواب سُنکر سیخ پا ہو جاتے۔ اُنہیں بُرا بھلا کہتے۔ اُن پر آوازے کَستے اور یہ عجیب قصّہ ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیوں اُن کے سب سفیر اِس حال میں واپس لَوٹتے ہیں کہ اُن کی بجائے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وکیل بن چکے ہوتے ہیں اور اُلٹا قریشِ مکّہ کو سمجھانے لگتے ہیں۔

قریش کا تیسرا قاصد حُلَیس جو عرب کے اُن مشہور تیر انداز قبیلوں کا سردار تھا جو احابیش کہلاتے تھے جب حدیبیہ کے قریب پہنچا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ فوری طور پر قربانی کے اُونٹوں کو ہانک کر اس کے سامنے کر دو تاکہ ہم تک پہنچنے سے پہلے وہ ان اُونٹوں کو دیکھ لے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام ایسا مؤثر ثابت ہُوا کہ بخاری کی روایت کے مطابق اس نے صحابہؓ کی قربانیوں کو دیکھا اور صحابہؓ کو لبّیک کرتے سُنا تو اُس نے بے اختیار ہو کر کہا سُبحان اللہ یہ تو ایسے چہرے ہی نہیں جنہیں خدا کے گھر سے روکا جائے چنانچہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر ہی لَوٹ گیا

اور واپس جا کر قریش پر سخت اظہارِ افسوس کیا کہ حجِ کعبہ سے تم ان لوگوں کو روکتے ہو جو ہرگز لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ کثیر تعداد میں قربانی کے لئے اُونٹ لے کر آ رہے ہیں۔ یہ بات سُنکر حسبِ سابق قریش نے اس پر بھی آوازے کَسنے شروع کر دیئے اور یہاں تک کہا کہ اُجڈ آدمی تم ان باتوں کو کیا سمجھو آخر تم بدو ہی نکلے۔ اِس سلوک سے حُلَیس بھی سخت مشتعل ہو گیا اور اس نے کہا میں نے تم سے ہرگز کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حجِ کعبہ کرنے سے روکنے میں تمہاری مدد کرونگا پس میرا تم سے کوئی تعلق نہیں اور میں اپنے تمام قبائل کو لے کر اِس معاملہ سے الگ ہوتا ہوں۔ قریش نے اس دھمکی پر پشیمان ہو کر اُسے تو منّت سماجت سے بہلا پُھسلا کر ٹھنڈا کیا اور اپنی طرف سے سفارت کا حق ادا کرنے کے لئے بہتر آدمی کی تلاش کرنے لگے۔ چنانچہ اُن کی نظرِ انتخاب عروہ بن مسعود پر پڑی۔ پہلے تو عروہ گزشتہ سفیروں کے ساتھ قریش کی بدسلوکی کا حال دیکھ کر سفارت پر آمادہ نہ ہُوا لیکن جب قریش نے اُسے یقین دلایا کہ وہ ہرگز اُس سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں کریں گے تو وہ بالآخر مان گیا۔

عروہ نے اپنی دانست میں قریش کی سفارت کا خوب حق ادا کیا لیکن سب سفیروں سے زیادہ احمقانہ بات اُسی کو سُوجھی چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خائف کرنے کے لئے بڑے ہمدردانہ رنگ میں یہ سمجھانے لگا کہ قریش لاکھ دشمن ہو چکے ہوں آخر آپؐ ہی کا خون ہیں۔ یہ مختلف انواع کے لوگ جو آج آپؐ کے گرد اکٹھے

ہیں کل کلاں جب آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو بالآخر آپؐ کو قریش ہی کی طرف لوٹنا پڑے گا اِس لئے قریش کی بات ماننے میں آپؐ ہی کی بھلائی ہے۔ یہ احمقانہ بات عروہ کے مُنہ سے سُنکر صحابہؓ کے تن بدن میں آگ لگ گئی لیکن اُن کے دِل کی ترجمانی کسی قدر تحمّل کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے کی اور اُسے بتایا کہ یہ وہم دل سے نکال ڈالو کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی حال میں بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے اِس حوصلہ شکن جواب کے علاوہ عروہ کی آنکھوں نے کچھ اَور نظارے بھی دیکھے جنہوں نے اسکے خیالات کو یکسر بدل دیا۔

عربوں کی عادت کے مطابق وہ دَورانِ گفتگو بار بار اپنا ہاتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رِیشِ مبارک کی طرف بڑھاتا تھا لیکن ہر مرتبہ اس کی اِس حرکت پر پاس کھڑے ہوئے مغیرہ بن شعبہؓ اس کے بازو کو جھٹک دیتے تھے۔ مغیرہؓ کی طرف سے یہ سلوک اس کے لئے خاص طور پر تعجّب کا موجب بنا کیونکہ مغیرہؓ کے اسلام لانے سے قبل عروہ نے اُن پر اِتنا بڑا احسان کیا ہوُا تھا کہ اُنکے دس مقتولوں کا خون بہا خود اپنی جیب سے ادا کر کے اُن کی جان بچائی تھی۔

اِس کے علاوہ عروہ نے بڑے تعجّب سے یہ عجیب نظّارہ بھی دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کُلّی بھی فرماتے تو صحابہؓ اُسے زمین پر گرنے نہ دیتے اور والہانہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیتے پھر اس تبرّک کو چہرے اور سینے پر مَل کر دل ٹھنڈا کرتے۔

پس دَورانِ گفتگو بظاہر تو وہ سخت گیر رہا لیکن اندر ہی اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت سے بے حد متاثر ہو چکا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ باہم دگر برسرِ پیکار رہنے والے مختلف قبائلِ عرب کا اِس طرح ایک قالب اور ایک جان ہو کر ایک انسان پر پروانوں کی طرح جان نچھاور کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں چنانچہ اس نے قریش سے وہی بات کہی جو پہلے قاصد کہہ چکے تھے اور مزید اس پر اِن تاریخی کلمات کا اضافہ کیا کہ

"اے معشرِ قریش مجھے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریابی کا شرف حاصل ہو چکا ہے لیکن بخدا مَیں نے کبھی کسی فرمانروا کو اُس کی قوم میں ایسا محترم اور معزّز نہیں پایا جتنا محمدؐ کو اپنی قوم میں۔ پس تم جو چاہو فیصلہ کرو لیکن یہ وہم دل سے نکال ڈالو کہ اس کے ساتھی کِسی وقت بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔"

مشرکینِ مکّہ کی طرف سے پے در پے چار قاصدوں کے آنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد مکّہ بھجوانے کا فیصلہ فرمایا اور اس غرض سے ابنِ اسحٰق کی روایت کے مطابق خراش بن اُمیّہ خزاعی کو اپنے ثعلب نامی اُونٹ پر سوار کر کے قریش کی طرف روانہ فرمایا۔

اِس واقعہ کی توضیح کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قدم اِس لئے اُٹھایا کہ غالباً آپ کو یہ شک گزرا کہ قریش کے سفیروں نے

وہاں جاکر غلط قسم کی باتیں کردی ہوں گی لہٰذا مناسب تھا کہ خود آپ کا اپنا سفیر جاکر مسلمانوں کا اصل مدّعا اُن پر ظاہر کرے۔ مَیں سمجھتا ہوں یہ توضیح درست نہیں ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ بصیرت اِس معاملہ میں کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ آپؐ تو سفیروں کو گفت وشنید سے پہلے ایک نظر دیکھ کر ہی یہ بھانپ لیتے تھے کہ یہ کس مزاج کے لوگ ہیں اور کیسی بات کریں گے؟ یہ کیسے ممکن تھا کہ گفت وشنید کے بعد بھی یہ اندازہ نہ فرما سکتے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا تاثر واپس لے کر جا رہے ہیں اور کفارِ مکہ سے جاکر کیا کہیں گے؟ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفیر ہر صورت بھیجنا ہی تھا کیونکہ دشمن کے حالات اور اس کے حقیقی مقاصد اپنا نمائندہ بھجوائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ سفیر بھجوانے میں تاخیر اور پہلے مسلسل قریشِ مکہ کو سفیر پر سفیر بھجوانے کا موقع دینا آپؐ کی گہری فراست پر دلالت کرتا ہے۔ آپ جانتے تھے کہ قریشِ مکہ غیض وغضب میں بھرے ہوئے ہیں اور اِس حد تک آپؐ کے عناد میں بڑھے ہوئے ہیں کہ سفارتی آداب کو ملحوظ نہ رکھیں گے اور بعید نہیں کہ آپؐ کے سفیر کو ہلاک کر دیں۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر پر سفیر بھجوانے کا فیصلہ دراصل اِس بات کا ثبوت تھا کہ آپ نے یہ اندازہ لگایا کہ قریش کے چاروں سفیروں نے واپس جاکر بار بار آپ کے اور آپ کے ہمسفر اہلِ قافلہ کے حق میں ایسی اچھی رائے کا اظہار کیا ہوگا کہ بہت حد تک قریش کا اشتعال ٹھنڈا پڑ چکا ہوگا اور دماغ کم از کم اِس حد تک ٹھکانے آ چکے ہوں گے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کرنے سے باز رہیں۔ تاہم آپؐ نے مزید احتیاط کے طور پر ایک خزاعی صحابی کو سفیر بنایا کیونکہ قریش کا پہلا سفارتی وفد خزاعی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور عرب مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ امید رکھنا بے محل نہ تھا کہ خزاعی قبیلہ کے لوگ اپنے ہم قبیلہ سے ہمدردی رکھیں گے جبکہ خود اُن سے بھی حُسنِ سلوک کیا گیا تھا۔ اِسی طرح احابیش کے سردار کے نہایت متاثر ہو کر لَوٹنے سے بھی آپؐ باخبر تھے اور سمجھ چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کا ہمدرد اور مؤید بن کر واپس لَوٹا ہے۔ اِس پس منظر میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب سفیر بھجوانے میں کسی بڑے ضرر کا احتمال نہیں۔

پیش آمدہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی قدر تاخیر کے ساتھ اپنا سفیر بھجوانے کا فیصلہ انتہائی دانشمندانہ اور برمحل تھا کیونکہ مزاج نسبتاً درست ہونے کے باوجود قریش کے عناد کا عالم اب بھی یہ تھا کہ انہوں نے آپ کے سفیر کو سخت بے عزت کیا اور مزید تذلیل اور اظہارِ جہالت کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو آپ نے ازراہِ شفقت اپنے سفیر کو عنایت فرمائی تھی۔ بعید نہ تھا کہ اس حالتِ طیش میں وہ سفیر کو بھی گزند پہنچا دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے احابیش کو اُن کی مدد کے لئے کھڑا کر دیا اور وہ کفارِ مکہ اور سفیرِ محمد مصطفےٰؐ کے درمیان حائل ہو گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدخُلقی اور جہالت سے بہت رنج پہنچا لیکن آپ کے خُلقِ عظیم اور رحمت اور

شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب اِس دوران کفّارِ مکّہ کے چالیس سردار پکڑے گئے جو بُری نیّت سے مسلمانوں کے کیمپ کے گرد چکر لگا رہے تھے تو آپؐ نے اُن سے کوئی باز پُرس نہ فرمائی اور معاف فرماتے ہوئے آزاد کر دیا حالانکہ وہ محض رہزن ہی تو تھے کوئی سفارتی حُرمت انہیں حاصل نہ تھی۔

پہلے سفیر کی ناکام واپسی کے بعد آپ نے دوسرے سفیر کے طور پر عمرؓ بن خطاب کا انتخاب فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس انتخاب سے یہ صحیح اندازہ لگایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں سفیر کی حُرمت و خیریت کی فکر غالب ہے اور مجھے اِس لئے منتخب فرما رہے ہیں کہ میرے ہم قبیلہ بنو عدی میری حفاظت کے ضامن ہو جائیں گے۔ پس حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان دنوں مکّہ میں بنو عدی موجود نہیں جو میری حفاظت کے ضامن ہوں پس مَیں یہ مشورہ عرض کرتا ہوں کہ موجودہ حالات میں عثمانؓ سے بہتر اور کوئی سفارت کے لئے موزوں نہیں۔ عمرؓ کا یہ مشورہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آیا اور آپؐ نے بلا تردّد عثمانؓ غنی کو سفیر بنا کر اہلِ مکّہ کی طرف روانہ فرمایا۔ در اصل ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کے اہلِ مکّہ پر اتنے احسانات تھے کہ اہلِ مکّہ کی طرف سے کم سے کم خطرہ اگر کسی کو درپیش ہو سکتا تھا تو وہ حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ چنانچہ یہی ہؤا کہ مکّہ میں داخل ہوتے ہوئے پہلا قریش سردار جو آپؓ کو ملا اُس نے ذاتی طور پر آپ کو امان دے دی اور بلا خوف و خطر آپ نے سفارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ یہی نہیں بلکہ اہلِ مکّہ نے تو اِس حد تک آپ کی عزّت افزائی کی کہ خود بھی یہ پیشکش کی کہ اگر تم خود بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ہرگز ممکن نہیں کہ اپنے آقا کے بغیر عثمانؓ اکیلا ہی طواف کرے۔ بہرحال گفت و شنید جاری رہی لیکن کفّار کسی حالت میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قافلہ کو عمرہ اور حج کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ تاہم حضرت عثمانؓ کی سفارت کُلّیۃً رائیگاں نہ گئی اور قریش اِس حد تک نرم ضرور پڑ گئے کہ صلح پر آمادہ ہو جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو لمبی بحث و تمحیص میں اتنی دیر ہو گئی کہ وہیں رات پڑ گئی اور واپسی کا وقت نہ رہا پس اُس روز آپ واپس نہ آ سکے۔ ایک تو ویسے ہی اِس تاخیر سے تشویش لازمی تھی اُوپر سے کسی نے یہ غلط خبر اُڑا دی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مسلمان جو پہلے ہی زخم خوردہ اور کبیدہ خاطر تھے اِس قدر اس خبر سے برافروختہ ہوئے کہ غم و غصّہ سے بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس خبر کی صداقت پر گو یقین تو نہ تھا مگر اس کے درست ہونے کے احتمال سے بھی آپؐ اِتنا ملولِ خاطر ہوئے کہ دورانِ سفر کسی اور چیز نے آپؐ کو اتنا دُکھ نہ پہنچایا تھا۔ اِس موقع پر آپؐ نے ایک تاریخی عہد پر صحابہؓ سے بیعت لی کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لئے بغیر ہرگز وہاں سے واپس نہیں لَوٹیں گے اور دُشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں گے خواہ ایک ایک مسلمان اسی میدان میں شہید ہو جائے۔ پس تاریخِ اسلام کے فلک پر کہکشاں کی طرح چمکنے والا وہ جنّت کا راستہ جسے بیعتِ

رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی موقع پر تعمیر ہوُا۔ ایک درخت کے نیچے ایسی حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے بیعت لی کہ ہر دل پھڑک رہا تھا اور ہر جان شوقِ شہادت میں سینے سے باہر ہوئی جاتی تھی۔

دراصل حضرت عثمانؓ کا پیچھے رہ جانا اور غلط خبر کا مشہور ہوجانا بھی ایک عظیم آسمانی تدبیر کی کڑیاں تھیں کوئی اتفاقی حادثات نہ تھے چنانچہ یہ دلخراش خبر صحابہؓ کے تو دونوں جہان سنوار گئی اور ایسی برکتیں اُن کو نصیب ہوئیں کہ شاید ہی کوئی خوشخبری اُن کے حق میں ایسا معجزہ دکھا سکتی۔

اِس واقعہ کا بیعتِ رضوان پر مُنتج ہونا ایک اِتنا بڑا رُوحانی فائدہ ہے کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ بنی آدم کی تاریخ میں نہ کبھی پہلے ایسی بیعت لی گئی اور نہ آئندہ کبھی لی جانی تھی کہ جس کے بارہ میں عرش کا خدا یہ گواہی دے رہا ہو کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۔

(فتح : ۱۱)

یقیناً یہ لوگ جو تیری بیعت کر رہے ہیں دراصل خدا کی بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جو کوئی اس عہد کو توڑے گا وہ اپنے ہی مفاد کے خلاف ایسا کرے گا اور جو اس عہد کو ایفا کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اِس عظیم رُوحانی فائدہ کے علاوہ بعض ضمنی فوائد بھی اِس بیعت کے حاصل ہوئے مثلاً یہ کہ صحابہؓ کو اپنے سینوں کے دبے ہوئے غم و غصّہ کو کسی حد تک نکالنے کا موقع مل گیا اور یہ موقع بھی مل گیا کہ من حیث الجماعت عروہ بن مسعود کے اُس ناپاک الزام کا مُنہ توڑ دیں کہ نعوذ باللہ صحابہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

سفیر کی حُرمت کا سبق

بیعتِ رضوان کے واقعہ میں سفیر کی حُرمت کا جو عظیم الشان سبق ہمیں ملتا ہے اُسے عموماً مؤرخین نے نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ بین الاقوامی تعلقات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کا یہ پہلو ایک ایسی درخشندہ مثال ہے جو قیامت تک قوموں کے لئے نور اور ہدایت کا موجب بنی رہے گی۔ اپنے سفیر کے قتل کی خبر پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگ پر آمادہ ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی آپؐ کے دل و دماغ پر تو اُس وقت حجِ بیت اللہ کا عشق اِس حد تک مستولی تھا کہ کسی قیمت پر بھی جنگ و جدال میں اُلجھ کر حجِ بیت اللہ سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اِس اعلیٰ مقصد کے لئے آپؐ نے بڑی سے بڑی قربانی دی۔ ہر دباؤ کو برداشت کیا لیکن آپؐ کے اِس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی کہ جنگ نہیں ہوگی نہیں ہوگی نہیں ہوگی۔ پہلے کبھی آپؐ پر جنگ کے لئے ایسا دباؤ نہیں پڑا تھا جیسا

اُس وقت پڑا اور کبھی آپ نے جنگ سے اِس شدت کے ساتھ احتراز نہیں فرمایا تھا جیسا اس وقت فرما رہے تھے۔ ہاں جب سفیر کی حُرمت کا سوال سامنے آیا تو آپؐ نے بلا تردّد اپنا فیصلہ تبدیل فرما دیا اور ہر دوسری مصلحت کو اس اصول پر قربان کر دیا کہ سفیر کی حُرمت کو بہرحال قائم کیا جائے گا خواہ اس راہ میں کیسی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سے پہلے آپؐ کا جو رویّہ تھا اس رویّہ میں اور اس رویہ میں جو قتل کی خبر کے بعد ظاہر ہؤا یوں لگتا ہے جیسے مشرق و مغرب کا بُعد ہے اور زمین و آسمان کا فرق پڑ چکا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ اس خبر سے پہلے آپ کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے کیسے کیسے بیرونی اور اندرونی دباؤ کا سامنا تھا جس کی آپ نے قطعاً پرواہ نہ کی۔ بیرونی دباؤ تو دشمن کی مسلسل اشتعال انگیزی کی صورت میں تھا لیکن اس سے بڑھ کر آپ کے قلبِ صافی پر اثر انداز ہونے والا وہ اندرونی دباؤ تھا جو صحابہؓ کے جوشِ جہاد کی صورت میں بڑے زور کے ساتھ طغیانی دکھا رہا تھا۔ تنِ تنہا آپ ان دونوں محاذوں پر بے مثل پامردی کے ساتھ جمے رہے اور آپ کے مستحکم ارادہ نے ایک انچ زمین بھی نہ چھوڑی اور ہر اس دباؤ کو رَدّ فرما دیا جو جنگ کی طرف دھکیلنے والا تھا۔ پھر دیکھو کہ اچانک یہ کیا انقلاب آیا اور یک بیک رُت کیسی بدلی کہ جونہی سفیر کے قتل کی خبر پہنچتی ہے امن کا رسول اور محبت کا سفیر ہر دوسرے شخص سے زیادہ جنگ پر آمادہ اور مستعد ہو جاتا ہے۔

آپ کا یہ انقلابی فیصلہ بلاشبہ اِس حقیقت کا غمّاز تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عہدۂ سفارت کو غیر معمولی حرمت حاصل ہے اور سفیر کے قتل کو آپ ایک انتہائی بھیانک انسانیت سوز جُرم تصوّر فرماتے تھے۔ پس دشمنوں کا ہر دوسرا ذلّت آمیز اور غیر شریفانہ حربہ جو کام نہ کر سکا آپکے سفیر کے قتل کی خبر نے وہ کر دکھایا۔ بین الاقوامی تعلقات کے طلبہ کے لئے اور برسرِ پیکار قوموں کی رہنمائی کے لئے قیامت تک اس میں ایک سبق ہے مگر غیر قوموں سے ہمیں کیا شکوہ۔ کاش مسلمان کہلانے والے ہی اپنے محبوب آقاؐ کی اس محبوب سُنّت کو حرزِ جان بنائے رکھتے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس اُسوہ پر غور کرتے ہوئے میرا ذہن اِس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ آپ کا اپنے سفیر کی حرمت کا اِس قدر پاس کرنا دراصل صفاتِ باری تعالیٰ کا ہی ایک عکس تھا۔ آپ بہمہ ذات وصفات خدا کے رنگ میں رنگیں تھے۔ آپ کی اپنی کوئی الگ ادا نہ تھی بلکہ اپنے مولیٰ ہی کے ڈھنگ سیکھے تھے۔

حدیبیہ کے مقام پر یہ سب الٰہی رنگ آپ کی ذات میں ایک عجیب شانِ دلربائی کے ساتھ کبھی جمال بن کر ظاہر ہوئے کبھی جلال بن کر چمکے۔

مَیں نے سوچا کہ سفیر کی حرمت کا پاس بھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب ہی سے سیکھا تھا وہ بھی تو اپنے سفیروں کی حرمت کے لئے بے مثل غیرت دکھاتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی انبیاء کے دشمنوں کی وہ ساری تاریخ ایک کُھلی ہوئی کتاب کی طرح میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی جو بڑے بڑے مغرور اور سرکش بادشاہوں کے سر توڑے جانے کی خبر دیتی ہے اور بڑی بڑی عظیم قوموں کی ہلاکت اور بربادی

کی داستان بیان کرتی ہے۔ جب کبھی ان بادشاہوں نے جن کے رُعب اور ہیبت سے زمین کانپا کرتی تھی اللہ کے سفیروں اور اُس کے دَر کے فقیروں کو حقارت سے دیکھا اور اُن کو رُسوا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ کی غیرت اور جلال نے خود انہی کو ذلیل اور رُسوا کر دیا ان کی عزّتوں کو خاک میں ملا دیا اور ان کی سلطنتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ ان کی عظمتوں کے پُرزے اُڑا دیئے گئے اور اُن کے تکبّر ٹوٹ کر اِس طرح ریزہ ریزہ ہو گئے جیسے کانچ کا برتن کوئی غضبناک ہاتھ کسی چٹان پر دے مارے۔ وہی زمینیں جو کبھی اُن کے ہیبت و جلال سے کانپا کرتی تھیں اُن کے بد انجام کے نظارے سے لرزنے لگیں۔

مَیں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ پر غور کیا تو مجھے سمجھ آگئی کہ کیوں وہ بظاہر عظیم قومیں تباہ کی گئیں جنہوں نے خدا کے پیغمبروں کے مقابلہ کی جسارت کی تھی کیوں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور کیوں وہ خواب و خیال کی باتیں بن گئیں۔ اُن کی جمعیتیں کام نہ آئیں اور اُن کی کثرت نے اُن کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ وہ ہلاک کی گئیں مگر آسمان نے اُن کے حال پر کوئی آنسو نہ بہایا۔ وہ برباد کی گئیں لیکن زمین نے اُن کی بربادی پر کوئی تاسف نہ کیا۔ ہاں زمین اور آسمان نے بیک آواز اُن پر لعنت کی اور وقت نے لعنت کی اس پھٹکار کو اِس طرح محفوظ کر لیا کہ قیامت تک اس کی گونج سُنائی دیتی رہے گی۔ زمین کی لعنت کی بازگشت آسمان سے اُترتی رہے گی اور آسمان کی لعنت کی بازگشت زمین سے اٹھتی رہے گی اور قرآن کی تلاوت کرنے والے ہمیشہ حسرت کیساتھ اُن کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں گے :-

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ (الدخان: ۳۰)

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ .... اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

(البقرہ)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝

(الزخرف: ۵۶، ۵۷)

پس نوح کی قوم کا انجام میری آنکھوں کے سامنے آگیا اور لُوط کی قوم پر دن رات برسنے والے سنگریزے مجھے دکھائی دینے لگے۔ عاد اور ثمود کی بربادی کے مناظر نے مجھے بے چین کر دیا اور حسرت سے مَیں نے بنی آدم پر نظر ڈالی کہ آخر کب تک وہ خدا کے سفیروں کی بے حُرمتی کی جسارت کرتے رہیں گے۔ مَیں کانپ اُٹھا اس الہام کے تصوّر سے جو آج کے زمانہ کے انسان کے لئے عبرت اور تذکیر کا عنوان بنا ہُوا ہے۔

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا۔

آئیے اب ہم ماضی کے عبرت کدوں اور مستقبل کے پُرخطر اور پُرہول مقامات سے واپس حدیبیہ کے میدان کی طرف لَوٹتے ہیں جہاں ہمارے آقا و مولیٰ اپنے سفیر کے قتل کی خبر پر صحابہؓ سے بیعت لے رہے ہیں۔ یہ بیعت ایسے گہرے خلوص اور جذبہ سے کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور رضا

کی نظر پڑی اور ایسے پایۂ قبولیت میں جگہ عطا کرتے ہوئے اِس واقعہ کا یوں ذکر فرمایا :۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

(الفتح : ۱۹)

یہ سب کچھ ہوُا اور خبر کے ظاہر ہونے پر فیصلہ فرماتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر امکانی اقدام کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے تھے لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی بصیرت نے اِس امکان کا دروازہ ابھی بند نہیں فرمایا تھا کہ شاید یہ خبر جھوٹی ہو چنانچہ بیعت کے دَوران عثمانؓ کی نمائندگی میں آپ کا اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے یہ فرمانا کہ میرا بایاں ہاتھ عثمانؓ کی نمائندگی کر رہا ہے لہٰذا وہ بھی اِس بیعت میں شامل ہے۔ صاف بتا رہا ہے کہ آنحضور کے نزدیک ان کی زندگی کا امکان ان کے قتل کے احتمال کی نسبت زیادہ تھا ورنہ اس بیعت میں حضرت عثمانؓ کو شامل فرمانے کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ یہ بیعت تو شہادت کے عہد کے طور پر لی جا رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اگر آپ کو یقین ہوتا تو ان کو اس بیعت میں شریک نہ فرماتے۔ وہ جو پہلے ہی شہید ہو چکا ہو اس نے شہادت کا از سرِ نَو اقرار بھلا کیا کرنا تھا۔ پس شکر و نظر قربان ہوں اُن مقدس نگاہوں پر جو اللہ کے نُور سے دیکھا کرتی تھیں وہی ہوُا جس کا آپ کو غالب گمان تھا اور بیعتِ رضوان کے تھوڑی دیر بعد ہی حضرت عثمانؓ بخیر و عافیت اپنے آقا کے قدموں میں لَوٹ آئے۔

اپنے بائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر خود اپنے ہی ہاتھ سے ان کی بیعت لینے کے واقعہ میں ایک عجیب شانِ دلنوازی بھی پائی جاتی ہے۔ دیکھو کیسی بندہ پروری ہے کیسی شفقت اور رحمت کا اظہار ہے۔ کیسی محبّت ہے اپنے غلاموں سے۔ کیسا پیار ہے کہ اس عظیم الشان اور منفرد تاریخی واقعہ پر جب خدا کے بے پایاں فضل اور مغفرت نے اس درخت اور اس کے گرد و پیش اور ان سب کو جو اس کے نیچے تھے ڈھانپ رکھا تھا اپنے اِس غلام کو یاد رکھا اور محروم نہ رہنے دیا جس نے مسلمانوں کی نمائندگی میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا تھا۔ اس غلام کو ذرا دیکھو کہ آقا نے کیسا اعزاز بخشا اور کیسے خاک سے اُٹھا کر ثریّا سے ملا دیا۔ اس بندۂ فانی کو کیسا آبِ حیات عطا کیا کہ زندہ جاوید کر دیا۔ وہ جو غیر حاضر تھا سب حاضر غلاموں سے آگے بڑھ گیا اور وہ ہاتھ جو بیعت نہ کر سکا تھا سب بیعت کرنے والے ہاتھوں پر سبقت لے گیا۔ وہ عجیب لمحات تھے کہ جب آسمان کی آنکھ نے یہ چکا چوند کرنے والا نظّارہ دیکھا کہ محمد مصطفےٰؐ کا ایک ہاتھ تو اللہ کے ہاتھ کی نمائندگی کر رہا تھا اور دوسرا ہاتھ عثمانؓ کے ہاتھ کی۔ آنحضورؐ کی اِس بندہ پروری کو دیکھ کر بے اختیار دل سے یہ صدا اُٹھتی ہے کہ اے سب دلنوازوں سے بڑھ کر دلنوازی کرنے والے آقا! ہاں اے سب دلنوازوں سے بڑھ کر دلنوازی کرنے والے آقا! دیکھ ہمارے سینوں میں جانیں تیرے قدموں پر نثار ہونے کے لئے مچل رہی ہیں اور دل جوشِ محبت سے دھڑکتے ہوئے پسلیوں سے ٹکرا رہے ہیں

وَاَرَى الْقُلُوْبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ حُرْبَةً
وَاَرَى الْغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

جیسا کہ بیان کر چکا ہوں بیعتِ رضوان کو ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت عثمانؓ واپس اہلِ ایمان کے قافلہ میں آملے۔ رحمتوں کی بارش برسانے کے بعد فکر کے وہ سب بادل چھٹ گئے اور گفت و شنید کا منقطع سلسلہ ایک بار پھر سے جاری ہو گیا۔

اِس مرتبہ قریشِ مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھتے ہی حاضرینِ مجلس کو یہ خوشخبری سُنائی کہ سھل امرُکم یعنی اب آسانی کی صورت نکل آئی اور آخر قریش صلح پر آمادہ ہو ہی گئے۔

اِس گفت و شنید کے دوران صحابہؓ پر بار بار ایسے سخت ابتلاء آئے کہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا ہاتھ اُن کے دل نہ تھامے رکھتا تو وہ صبر کی بازی ہار جاتے۔

عمومی گفتگو کے بعد فریقین کے مابین جو باتیں طے ہوئیں وہ اکثر و بیشتر اپنی ظاہری صورت میں مسلمانوں کے لئے خفّت اور کفار کے لئے فتح و شادمانی کا موجب نظر آتی تھیں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے ہر خفّت آمیز شرط کے اندر مستقبل کی فتح کی چابیاں چھپی ہوئی ہیں۔

معاہدۂ صلح کی وہ شرائط جو مسلمانوں کو انتہائی خفّت آمیز معلوم ہو رہی تھیں اور وہ انہیں قبول کرنے کی بجائے کٹ مرنے کو ترجیح دیتے تھے وہ یہ تھیں:-

اِس سال مسلمان بغیر حج اور عمرہ کے واپس لَوٹ جائیں ہاں آئندہ سال دوبارہ آئیں لیکن اس دفعہ بھی صرف تین دن مکہ میں قیام کی اجازت ہوگی۔

تا اختتام معاہدہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی لیکن اس دوران اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائے تو عند المطالبہ اُسے کفار کو واپس کرنا پڑے گا۔

ہاں اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تو اسے مسلمانوں کو واپس نہیں کیا جائیگا۔

آج ہمیں یہ حقیقت نہیں بھلانی چاہیئے کہ صحابہؓ لاکھ مومن سہی آخر انہی عربوں میں سے تو آئے تھے جو اپنی عزّتِ نفس پر ایک ادنیٰ سی آنچ بھی نہ آنے دیتے تھے۔ وہی آزاد صحرائی خون اُن کی رگوں میں بھی گردش کر رہا تھا جو ذراسی سُبکی کے تصوّر سے بھی کھولنے لگتا تھا۔ اُن کے دلوں سے بھی ویسے ہی تیل کے چشمے اُبلتے تھے جو تحقیر کی ایک ذراسی چنگاری سے آتشِ جوالہ بن کر بھڑک اُٹھتا تھا۔ پس کیا یہ حضور اکرمؐ کی عظمت و جلال کا معجزہ نہیں تھا کہ ان کی غیرتیں کفارِ مکہ کی کُند چھُریوں سے ذبح کی گئیں مگر انہیں پھڑکنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

ان بظاہر ذلّت آمیز شرائط پر مستزاد یہ کہ صلح نامہ کی تحریر کے دوران سہیل بن عمرو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل بدخُلقی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ چنانچہ جب اِسلامی دستور کے مطابق سرنامہ پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا گیا تو اس نے سختی سے کہا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کیا ہے میں تو باسمك اللّٰھم لکھواؤں گا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو اس کے مطابق تحریر کا ارشاد فرمایا۔ پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ محمّد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے

درمیان ہے تو اس نے کہا اگر ہم تجھے اللہ کا رسول مانتے تو اس جھگڑے کا موقع ہی کیا تھا اس لئے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر سیدھا سادھا محمد بن عبداللہ لکھو۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس موقع پر بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات تسلیم فرمائی اور علیؓ کو محمد رسول اللہ کاٹ کر محض محمد بن عبداللہ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اس وقت صحابہؓ کے دل کی جو کیفیت تھی اس کا کچھ اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ جو اطاعت کا پُتلا اور فنا فی الرسولؐ تھے کامل فرمانبرداری کے باوجود حضورؐ کے اِس ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہے۔ ان کے ہاتھوں میں اِس بات کی سکت ہی نہ رہی کہ محمد رسول اللہ کے الفاظ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھیں۔ ان کی کیفیت دیکھ کر آنحضورؐ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ کوئی شکوہ نہیں کیا۔ کسی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر وہ تحریر لے لی اور اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ آنحضورؐ کا معجزہ تھا کہ اُمّی ہوتے ہوئے بھی اپنا نام لکھ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں چونکہ دستخطوں کی ضرورت پیش آتی تھی لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپؐ نے اپنا نام لکھنا سیکھ لیا ہو لیکن یہ بحث ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شرائطِ صلح تو پہلے ہی مسلمانوں کو سخت خفت آمیز دکھائی دے رہی تھیں اُوپر سے سہیل بن عمرو کی بدتمیزی اور گستاخی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یہ نظارہ ان کی بے قراری کو اَور بھی بڑھا رہا تھا کہ آنحضورؐ سہیل کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیتے بلکہ اس کی ہر ناواجب حرکت کو برداشت فرما رہے ہیں اور ہر ناحق مطالبے کو بھی قبول فرماتے چلے جا رہے ہیں۔

اِس قسم کے واقعات نے حضرت عمرؓ فاروق کے زخموں پر تو ایسی نمک پاشی کی کہ تڑپ اُٹھے اور مزید صبر کا یارا نہ رہا۔ پس حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ایک طرف لے جا کر اُن سے پوچھا کہ بتائیں کیا ہم حق پر نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہم حق پر ہیں۔ پھر پوچھا کہ بتائیں کیا محمد مصطفیٰؐ اللہ کے رسول نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں محمد رسول اللہ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے بیقرار ہو کر کہا کہ بتائیں پھر ہم اس کے باوجود یہ ذِلّتیں کیوں برداشت کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سمجھایا اور فرمایا "یقیناً آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کا ربّ آپ کو ہرگز نہیں چھوڑے گا وہی آپ کا مددگار ہوگا پس آپ کی رکاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ خدا کی قسم آپ حق پر ہیں"۔ مگر عمرؓ بن خطاب کو قرار نصیب نہ ہوا اور اِس امر سے باز نہ رہ سکے کہ اِس قسم کی گفتگو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کریں۔

ہرچند کہ وہ وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بھاری تھا اور صحابہؓ کے غم و حزن اور اُن کی غیر متوقع طرزِ عمل سے آپ کو بہت دُکھ پہنچا لیکن آپ نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور عفو اور درگذر سے کام لیا۔ حضرت عمرؓ کو کوئی سرزنش نہ فرمائی۔ تعجب کا اظہار تک نہ کیا کہ اے عمرؓ مجھ سے یہ تُو کہہ رہا ہے!

آپ کے دل کی کیفیت آپ کے آسمانی رازداں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن افسوس کے ساتھ تعجب تو فرماتے ہوں گے کہ وہ عمائدین جو دست و بازو تھے۔ نہیں نہیں! وہ غلام جو پاپوش اُٹھانے کو بھی سعادت جانتے تھے آج غم و حزن اور احساسِ خفت نے اُن کو اِس حال تک پہنچا دیا کہ

نہیں سوچتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ سے کوئی تعرض نہ فرمایا ہاں درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ

عمرؓ میں یقیناً اللہ کا بندہ اور اس کا رسول
ہوں اور ہرگز اس کے منشاء کی خلاف ورزی
نہیں کروں گا اور میں اُس سے امید رکھتا
ہوں کہ وہی میری حفاظت کرے گا۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ درد و کرب کی وہ چیخ جو سوال بن کر حضرت عمرؓ کے دل سے نکلی دوسرے بہت سے سینوں میں بھی گھٹی ہوئی تھی۔ اگرچہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جن جذبات کو عمرؓ نے زبان دی تھی وہ صرف ایک عمرؓ ہی کے جذبات نہیں بلکہ اَوروں کے بھی تھے اور سینکڑوں سینوں میں اسی قسم کے خیالات ہیجان بپا کئے ہوئے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے جو انکے اظہار کی جرأت کی یہ ایک ایسی چُوک ہوگئی کہ بعد ازاں عمر بھر حضرت عمرؓ اس سے پشیمان رہے۔ بہت روزے رکھے بہت عبادتیں کیں۔ بہت صدقات دیئے اور استغفار کرتے ہوئے سجدہ گاہوں کو تر کیا لیکن پشیمانی کی پیاس نہ بُجھی۔ حدیبیہ کا اضطراب تو عارضی تھا جسے بہت جلد آسمان سے نازل ہونیوالی رحمتوں نے طمانیت میں بدل دیا مگر وہ اضطراب جو اس بے صبری کے سوال نے عمرؓ کے دل میں پیدا کیا وہ ایک دائمی اضطراب بن گیا جس نے کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا ہمیشہ حسرت سے یہی کہتے رہے کہ کاش میں نے آنحضورؐ سے وہ سوال نہ کیا ہوتا۔

بارہا میں یہ سوچتا ہوں کہ بستر مرگ پر آخری سانسوں میں حضرت عمرؓ جب لَا لِیْ وَلَا عَلَیَّ کا ورد کر رہے تھے کہ اے خدا میں تجھ سے اپنی نیکیوں کا بدلہ نہیں مانگتا تو میری خطائیں معاف کر دے تو سب خطاؤں سے بڑھ کر اِس ایک خطا کا تصوّر آپ کو بے چین کئے ہوئے ہوگا جو میدانِ حدیبیہ میں آپ سے سرزد ہوئی۔

صلح نامہ کی تحریر کے دَوران صحابہؓ کی بے چینی اور دل شکستگی کا عالم دیکھ کر آنحضورؐ کے دل کی کیفیت کا راز آپ کے آسمانی آقا اور بے حد محبت کرنے والے رفیقِ اعلیٰ کے سوا اَور کوئی نہیں جانتا لیکن ان تین سادہ سے جُملوں میں جو عمرؓ کے جواب میں آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلے ۔ آپ نے غور کرنے والوں کے لئے بہت کچھ فرما دیا۔

آپؐ کا یہ فرمانا کہ مَیں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کی مرضی کے سوا کچھ نہ کروں گا آپؐ کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ صحابہؓ کے سخت زخمی دل اور پُر ہیجان جذبات ایک طرف تھے جو آنحضورؐ ہی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کیلئے مچل رہے تھے اور دوسری طرف مرضیٔ مولیٰ تھی جو حجِ بیت اللہ کے قصد کے بعد ہر قسم کے جنگ و جدال سے روکے ہوئے تھی۔ پس آپ نے اِس امر کی ذرہ بھی پرواہ نہ کی کہ دشمن آپکی بظاہر ناکام واپسی پر کیا کیا پھبتیاں نہ کسے گا۔ آپ اِس امر کو بھی خاطر میں نہ لائے کہ صحابہؓ کے دل پر کیا بیتے گی اور خفّت نے اندر ہی اندر وہ کس طرح کٹ رہے ہوں گے۔ آپ اوّل و آخر اپنے مولیٰ کے بندے اور اسی کے رسُول تھے اور خدا کی مرضی کے مقابل پر کُل مخلوق کی مرضی بھی آپکے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا بھی کتنا

معنی خیز اور کتنا لرزا دینے والا اعلان تھا کہ میں اپنے مولیٰ ہی سے حفاظت کی اُمید رکھتا ہوں۔ گویا سب پر برملا یہ واضح فرما دینا چاہتے تھے کہ ہر چند کہ تم لوگوں سے وفا کی اُمید ہے لیکن اے صحابہؓ کے گروہ میرا سہارا تم نہیں ہو بلکہ صرف اور صرف میرا خدا ہے۔ یہ اعلان تھا اس اٹل حقیقت کا کہ آپؐ نے جس خدا کا ساتھ اس شدید آزمائش کے وقت میں بھی نہیں چھوڑا وہ ہرگز آپ کا ساتھ کسی مشکل کے وقت بھی نہیں چھوڑیگا۔

قربانیاں دینے اور سر منڈانے کا ارشاد

معاہدہ صلح لکھا گیا اور کفار کا وفد فتح کا گمان لئے ہوئے اِس حال میں کہ دل میں شہنائیاں بج رہی تھیں واپس لَوٹ گیا اور صحابہؓ کا یہ عالم کہ ایک فرضی شکست کے احساس سے نڈھال غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے پڑے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں کیسی عظیم اور روشن اور کُھلی کُھلی فتح سے ہمکنار فرمایا ہے اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند یہ اعلان فرمایا کہ اُٹھو اور قربانیاں دو اور سر منڈواؤ اور بال ترشواؤ۔ یقین نہیں آتا مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس مقدس آواز کو سُنکر ایک صحابیؓ نے بھی حرکت نہ کی اور کسی بدن میں جُنبش نہ آئی۔ آنحضورؐ نے دوسری بار پھر اسی ارشاد کی تکرار فرمائی لیکن وہی پہلے کا سا سکوت طاری رہا پھر تیسری دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند تر آواز میں وہی ارشاد دُہرایا کہ اُٹھو اور قربانیاں دو اور سر منڈواؤ اور بال ترشواؤ لیکن سرتا پا غم کی تصویر بنے ہوئے صحابہؓ میں کوئی جُنبش نہ ہوئی۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ آنحضورؐ پر وہ گھڑی کیسی کڑی ہو گی۔ تاریخ ہمیں صرف یہ بتاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں داخل ہوئے اور اُمِّ سلمہؓ سے مخاطب ہو کر بڑے درد کے ساتھ اِس اَنہونی بات کا تذکرہ فرمایا۔ اس پر اُمِّ سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ غم نہ کریں صحابہؓ نافرمان نہیں ہیں بلکہ شدّتِ غم سے مغلوب ہو چکے ہیں پس آپؐ باہر تشریف لے جائیں اور قربانی کریں پھر دیکھیں کہ صحابہؓ آپؐ کی کس طرح پَیروی کرتے ہیں چنانچہ آنحضورؐ نے اِس مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ آنحضورؐ کو تن تنہا قربانی کرتا ہوُا دیکھ کر صحابہؓ پر ایک بجلی سی گری گویا تنِ مُردہ میں جان پڑ گئی۔ وہ میدانِ خفتگان ایک میدانِ حشر میں تبدیل ہو گیا جیسے صور پھُونکا جا چکا ہو۔ ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی اور صحابہؓ بے محابا قربانیوں کی طرف دوڑے۔ وہ دوڑے اور ایکدوسرے پر سبقت لے جانے لگے اور اچانک اس پُرسکون اور جامد و ساقط میدان میں ہر طرف ایک شورِ قیامت برپا ہو گیا۔ ذبح ہوتی ہوئی قربانیوں کے شور اور صحابہؓ کی تسبیح و تحمید نے فضا میں ایک غلغلہ سا مچا دیا۔ اِس واقعہ کے بارہ میں صحابہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے سر اِس تیزی اور جوش کے ساتھ مونڈنے لگے کہ احتمال تھا کہ کہیں گردنیں ہی نہ کاٹی جائیں۔ یہ سب کچھ ہوُا اور خوب خوب تلافیٔ مافات ہوئی لیکن بایں ہمہ آج تک وہ توقّف اور تامّل دلوں میں کھٹکتا ہے جو صحابہؓ نے آنحضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں دکھایا اور تین مرتبہ کے تکرارِ فرمانِ رسولؐ کے باوجود اس پر عملدرآمد سے کیسے قاصر رہے۔

چودہ سَو برس ہونے کو آئے لیکن آج بھی جب انسان اِس واقعہ کو پڑھتا ہے تو عقل گنگ ہو جاتی ہے اور سوچ کی

طاقتیں ماؤف ہونے لگتی ہیں کہ چند ثانیوں کے لئے ہی سہی لیکن یہ ممکن کیسے ہؤا کہ اطاعت کے پُتلے وہ جانثار صحابہؓ جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیف اشاروں پر تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے اور مال و زر لٹا دیتے تھے۔ اس جان و دل سے پیارے آقا کی آواز سُنکر بھی اَن سُنی کیسے کر رہے تھے۔ وہ لوگ تو آسمانِ اسلام کے روشن ستارے تھے جن کی روشنی ایک عالَم کے لئے ہدایت کا موجب بننے والی تھی اُن میں ولی بھی تھے اور ولیوں کے سرتاج علیؓ بھی۔ ابوبکرؓ و عثمانؓ اور عمرؓ بھی تھے۔ ان میں صالح بھی تھے اور شہید بھی اور صدّیق بھی۔ انعام یافتہ بندگانِ خدا کا وہ ایک برگزیدہ گروہ تھا جن کا مثل دُنیا نے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر اُن سب سے یہ کیا ظاہر ہؤا کہ آج تک عقل حیران اور فکر سرگرداں ہے۔ دل پریشان ہو جاتا ہے اس نظّارے سے۔ تاریخ اسلام کے یہ چند لمحاتِ توقف ایک عقدۂ لاینحل کی طرح سوچ و بچار کی قوّتوں کو مفلوج کئے دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے سوا اس میدان میں ہر دوسرا وقت ٹھہر گیا تھا اور آنحضورؐ کے دِل کی دھڑکن کے سوا ہر دوسرے دل کی دھڑکن رُک چکی تھی۔

مؤرّخین اور اصحابِ سیر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں صحابہؓ کے توقف اور تامّل کے جواز میں بہت کچھ لکھا ہے۔ محدّثین نے بھی توجیہات پیش کی ہیں لیکن بات دراصل یہی ہے کہ وہ منزل ہی بہت کڑی تھی اور وہ امتحان اُن کی حدِّ استعداد سے باہر تھا۔ یہ وہ کٹھن مہم تھی جو محمد مصطفےٰؐ کے سوا اَور کوئی سر کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

یہ وہ حدِّ فاصل تھی جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دوسری مخلوق سے جُدا کرتی تھی۔ آپؐ نے قدم اُٹھایا تو قدم اُٹھے۔ آپؐ آگے بڑھے تو آگے بڑھنے کے حوصلے پیدا ہوئے۔ صالحین اور شہداء اور صدّیقوں کا ہی کیا ذکر اگر وہ محفل نبیوں سے بھی سجی ہوتی تو بخدا محمد مصطفےٰؐ اُن سب میں منفرد اور ممتاز اور ارفع اور بالاتر رہتے اور اطاعتِ خداوندی کے اس امتحان میں آپ کا تخت سب سے اُونچا بچھایا جاتا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا یہ ایک خاص اور منفرد مقام تھا دیکھو راہِ قتال میں بھی اُحد کے وہ چند دردناک لمحات آئے تھے جب قرآن کریم کے بیان کے مطابق دشمن کی یلغار نے مسلمانوں کے پاؤں اُکھاڑ دیئے تھے اور وہ اس حال میں دوڑے چلے جاتے تھے کہ پیچھے رسولِ خدا تنہا میدانِ جہاد میں کھڑے انہیں اپنی طرف بُلا رہے تھے۔ پھر یہ اُسوۂ نبی ہی تو تھا جس نے دوڑتے ہوؤں کو روکا اور گرتوں کو تھام لیا۔

حدیبیہ کا واقعہ راہِ سلوک میں ایسا ہی ایک وقت تھا۔ پس تعجّب کا کیا مقام اور وجہ جواز کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دفعہ نہیں بارہا آپ کی زندگی میں ایسے تاریخ ساز لمحات آئے کہ تنہا آپ نے کھوئی ہوئی بازیوں کو جیتا اور دشمن کی جیتی ہوئی بساط کو اس پر اُلٹ دیا۔ بارہا آپ نے مہیب خطرات کے رُخ پلٹے اور تنگ اور تاریک راہوں کو کشادہ اور روشن کیا اور خود آگے قدم بڑھایا تب آپ کے غلاموں کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ آپ کے نقوشِ پا کو چُومتے ہوئے آگے بڑھیں۔

پس یہ تھا ہمارا آقا محمد مصطفےٰؐ منفرد اور تنہا۔ ممتاز اور اکیلا۔ میدانِ وغا کی ہر بازی جیتنے والا وہ محبوبِ سُبحانی جو

میدانِ وفا میں بھی ہر دوسرے پر سبقت لے گیا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمد وبارك وسلّم انك حمیدٌ مجید۔

انعامِ حدیبیہ

میدانِ حدیبیہ میں آپ کی تقلید میں جو ظاہری قربانیاں دی گئیں وہ تو محض علامتیں تھیں اصل قربانیاں تو عزتِ نفس اور جذبات کی وہ قربانیاں تھیں جن کی گردن پر رضائے باری تعالیٰ کی خاطر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضبوط اور نہ لرزنے والے ہاتھوں کے ساتھ چھری پھیری اور انہیں تڑپنے کی بھی اجازت نہ دی۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئیں اور اس شان سے مقبول ہوئیں کہ اس کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ فتح کے نزول نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر فضل و اکرام کا ایک نیا باب کھولا۔ مقامِ محمد مصطفیٰ ؐ کو ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ ظاہر کیا اور حدیبیہ کی صلح کو فتحِ مبین قرار دے کر یہ راز مسلمانوں پر کھولا کہ یہ کوئی گراوٹ کی صلح نہ تھی بلکہ ایک کھلی کھلی فتح تھی جس کے بطن سے آئندہ عظیم الشان فتوحات نے جنم لینا تھا۔ اس سورۃ نے مسلمانوں کو یہ نوید سنائی کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر جو فدائیت اور وفا کی بیعت انہوں نے محمد مصطفیٰ کے ہاتھ پر کی تھی وہ ربّ العزّت کی نظر میں مقبول ہوئی۔ خدا اُن سے راضی ہُوا اور مستقبل قریب میں انہیں فتح کی بشارت دیتا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اثابھم فتحًا قریبًا کے الفاظ میں جس فتح کا ذکر ہے وہ فتح مکّہ ہے جو مسلمانوں کو سب فتوحات سے زیادہ مرغوب تھی۔ چنانچہ اس موقع پر جمع کا صیغہ استعمال فرما کر سب صحابہؓ کو اس میں شریک کیا لیکن وہ دوسری فتح جس کا سورۃ فتح کی پہلی آیت میں ذکر کیا گیا ہے اور فتحِ مُبین قرار دیا گیا اور اس کی بشارت دیتے ہوئے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ انّا فتحنا لك فتحًا مبینًا لیغفر لك اللہ ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر ..... یہ فتح کیا تھی یہ کُھلی کُھلی اور روشن روشن فتح جو خاص ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئی اور جس میں آپؐ کے ساتھ اَور کوئی شریک نہ تھا مگر آپؐ کے وسیلہ سے۔ یہ فتح آپؐ کی عظمتِ کردار، آپؐ کے خُلقِ عظیم، آپؐ کی رُوحانی قوتوں کی فتح تھی۔ یہ فتح مرضئ خدا کی خاطر ترکِ رضائے خویش کی فتح تھی اور یہ فتح حصولِ مقصد کی فتح تھی اور فتح مکّہ بھی اس میں شامل اور اس کے ذیل میں آتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا روشن فتح ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے مقاصد میں تمام و کمال کامیاب ہو جائے۔ حدیبیہ کے واقعات کا بغور مطالعہ کریں تو لازمًا انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس موقع پر آپ کے سارے مقاصد بدرجہ کمال پورے ہو گئے۔

آپ دشمن کی خونریزی سے بچنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو معجزانہ طور پر پورا فرمایا اور دشمن کے ہاتھ روک دیئے۔ متعدد بار ایسے حالات پیدا ہوئے کہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھنے کو تیار تھے مگر اللہ کی رحمت نے ہر بار اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ آپؐ صحابہؓ کو لڑائی سے باز رکھنا چاہتے تھے اور اس مقصد میں بھی خدا تعالیٰ

نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی۔ بارہا قریش کی طرف سے ایسی اشتعال انگیزی کی گئی کہ صحابہؓ کٹ مرنے پر تیار ہو گئے اور ایسا جوش اور ولولہ دکھایا کہ دُنیا کے کسی دوسرے رہنما کیلئے اُسے قابو میں رکھنا ممکن نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے مشتعل جذبات پر کامل غلبہ عطا کیا اور آنحضورؐ کے منشاء کے خلاف انہیں اُنگلی تک ہلانے کی توفیق نہ ملی۔ آنحضورؐ قریشِ مکہ سے صلح اور امن کے خواہاں تھے تاکہ جنوب کی طرف سے مطمئن ہو کر شمال میں اُٹھنے والے خطرات کے ساتھ یکسوئی سے نپٹ سکیں اور تا قریش امن کے ماحول میں ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام کے پیغام پر غور کر سکیں پس آپ کو اس مقصد میں بھی مکمل کامیابی ہوئی اور خود قریش ہی صلح کی پیشکش پر آمادہ ہو گئے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کا رُویا ظاہری رنگ میں پورا ہو گا خواہ جلد ہو یا بدیر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ ہی کے ہاتھوں یہ پیشکش بھی کروا دی کہ آئندہ سال آپ بے شک آئیں اور تین دن قیام کر کے مناسکِ عمرہ ادا کریں ہماری طرف سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا اور کوئی امن شکنی نہ ہو گی۔ پس اسی معاہدہ نامۂ صلح میں رُویا کے ظاہری شکل میں پورا ہونے کے آثار بھی رکھ دیئے۔

واقعہ ابوجندل

معاہدہ صلح میں چند ایسی دلآزار باتیں جو قریش کے تفاخر کا باعث اور صحابہؓ کی عزتِ نفس کو کُچلنے کا موجب بنی ہوئی تھیں جب جذبات کی ہنگامہ آرائی کے بعد نسبتاً پُرسکون ماحول میں صحابہؓ نے ان کو دیکھا تو اپنی جلد بازی پر نادم اور پشیمان ہوئے اور جان لیا کہ ہر معاملہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیصلہ درست اور مناسب اور برمحل تھا مثلاً آپ کا بلا تردد سہیل بن عمرو کی یہ بات تسلیم فرما لینا کہ معاہدہ میں محمد رسول اللہ نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے نعوذ باللہ آپؐ کی رسالت کی ہتک یا صداقت میں اشتباہ پیدا کرنے والی بات سمجھی گئی حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔ یہ تو آپؐ کی صداقت ہی کی ایک بیّن دلیل تھی۔ یہ مقامِ رسالت کو گرانے والی بات نہ تھی بلکہ آپؐ کی رسالت کے عزّ و شرف کو اور بھی بڑھانے والا ایک ایسا واقعہ تھا جسے غیروں کی آنکھ بھی ہمیشہ احترام سے دیکھتی رہے گی۔ یہ آپ کے جذبۂ حق و انصاف کی فتح تھی اور لا اکراہ فی الدّین کے لازوال اصول پر عمل پیرا ہونے کی ایک درخشندہ مثال تھی۔

یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو ہمیشہ بین الاقوامی معاہدات اور بین المذاہب مصالحتوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتا رہیگا۔ آپؐ نے اُس دن قیامت تک آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیا کہ اگر صلح و امن کا قیام چاہتے ہو تو ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے غلط بات کہے بغیر کم سے کم قدرِ مشترک پر رضامند ہونا سیکھ جاؤ۔ تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم کی ایک نئی تفسیر اس روز آپؐ نے ہمیں سکھائی۔

صحابہؓ کی نظر میں معاہدہ کی یہ شرط بھی انتہائی ذلّت آمیز تھی کہ جب قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر رسول اللہ کی پناہ میں آجائے تو اس کے خاندان کی طرف سے مطالبہ ہونے پر آنحضورؐ اِس بات کے پابند ہوں گے کہ اُسے واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو کر اہلِ مکہ کی پناہ میں چلا جائے تو مطالبہ کے باوجود اسے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ اِس شرط کے تسلیم کئے جانے پر صحابہؓ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ اُٹھے تھے اور اُن کے تازہ زخموں پر نمک پاشی کا بھی عجیب رنگ میں سامان پیدا ہوا۔

عین اس وقت جب یہ شرط ابھی زبانی طور پر طے پا رہی تھی اور ضبطِ تحریر میں نہ آئی تھی۔ نہ ہی معاہدہ پر فریقین کے آخری دستخط ہوئے تھے یہ عجیب واقعہ گزرا کہ حاضرین مجلس نے مکہ کی جانب سے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پریشان حال ایک قیدی کو گرتے پڑتے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سخت مفلوک الحال تھا۔ اُس کے بدن کا انگ انگ راستے کی صعوبت اور زنجیروں کے بوجھ اور گھاؤ سے دُکھ رہا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کب سے بھوکا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کتنے عرصہ سے قید تھا اور قید کے دَوران اس پر کیا کیا مظالم توڑے گئے وہ سلاسل میں جکڑا ہوُا ایک دیوانہ سا تھا جو بڑے کرب اور اضمحلال کے ساتھ چھوٹے چھوٹے صبر آزما قدم اُٹھاتا ہوُا قریب تر آ رہا تھا۔ جب اس کا سراپا روشن اور واضح ہوُا تو تعجب سے سب نے یہ دیکھا کہ وہ تو سفیرِ مکہ سہیل بن عمرو ہی کا اپنا بیٹا تھا جسے خدا جانے کب سے محض اِس جُرم کی سزا میں عذاب دیا جا رہا تھا کہ وہ اس حقیقت پر ایمان لے آیا کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہیں۔

اس نے آتے ہی اپنا معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور بڑے دُکھ کے ساتھ اپنی درد بھری کہانی بیان کر کے آنحضورؐ سے امان چاہی لیکن پیشتر اس کے آنحضورؐ اُس کو امان دیتے اُس کا باپ بیچ میں حائل ہو گیا اور بڑی سختی سے اِس بات پر اصرار کیا کہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق آپ کو بہرحال اسے واپس لَوٹانا ہو گا۔ محدثین اور مؤرخین کے بیان کے مطابق صحابہؓ کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ اس نوجوان کے حالِ زار پر نظر ڈال کر بے حال ہوئے جاتے تھے۔ کفارِ مکہ کی شقاوت کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ان کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی اور نگاہیں آتش برسانے لگیں۔ کسی مظلوم کی ہمدردی میں کم ہی کوئی قوم اتنی برافروختہ ہوئی ہو گی جیسے اس وقت صحابہؓ برافروختہ تھے۔ اس وقت وہ ایک ایسے آتش فشاں کی طرح تھے جو ہر لمحہ پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہو اور اس کے سینہ سے گہری گڑگڑاہٹ کی آوازیں سُنائی دیتی ہوں۔ لیکن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا قوی ہاتھ اس آتش فشاں کے دہانے پر اس کے ہر جذبۂ بے تاب کو دبائے ہوئے تھا۔ دبے ہوئے غم و غصّہ کی وجہ سے جو اندر ہی اندر کھول رہا تھا صحابہؓ کے بدنوں پر ایک زلزلہ سا طاری تھا۔ ان کا بس چلتا اور اختیار ہوتا تو معاہدہ کی نامکمل تحریر کو چاک کر کے بھی ابوجندل کو بچا لیتے۔ وہ صاحبِ امر ہوتے تو اہلِ مکہ کے ساتھ جنگ کر کے بھی ابوجندل کو بچا لیتے۔ ان کی کچھ پیش جاتی تو اپنی جانیں دے کر بھی اس ایک مظلوم جان کو روک لیتے لیکن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے رُعب و جلال اور رُوحانی دَبدبہ کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ آیئے اَب دیکھیں کہ اس وقت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت تھی؟

تخلیقِ آدم کا وہ شاہکار ایک کوہِ وقار بنا بیٹھا تھا۔ غم اور غصّے سے مغلوب ہو کر اس کا بدن نہیں کانپا۔ اُس کے ہونٹ نہیں کپکپائے۔ دیکھنے والوں نے اس کے جسم پر کوئی لرزہ طاری ہوتے ہوئے نہ دیکھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دل زخمی نہ تھا۔ کون گمان کر سکتا ہے کہ آپ کا سینہ اس مظلوم کی حالتِ زار پر ہمدردی اور رحمت کے جذبات سے اُمڈ نہ آیا تھا۔ کون تصوّر بھی کر سکتا ہے کہ اس دل کا حال جو سارے جہانوں کیلئے رحمت تھا۔ جو رؤف تھا رحیم تھا۔ جو اپنے غلاموں کے ساتھ ہر دوسرے

سے بڑھ کر پیار کرنے والا تھا۔ ویسی شفقت تو کسی نے کبھی
مادرِ مہربان سے بھی نہ دیکھی تھی جو اُس سے دیکھی لیکن آپکے
جذبات ہمیشہ اعلیٰ اصولوں کے تابع رہے اور انہیں مرضیٔ
خدا سے سرِ مُو انحراف کی تعلیم نہ تھی۔ پس موجزن جذبات اور
اعلیٰ اصولوں کی اس کشمکش میں اصولوں کی فتح ہوئی اور اپنے
جذبات کو ایک آہنی عزم کے ساتھ آپ نے زیرِ نگیں رکھا۔

آپ نے بڑے تحمّل اور بردباری کے ساتھ حالات کا
جائزہ لیا اور سہیل بن عمرو سے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ کی تحریر
پر دستخط نہیں ہوئے اِس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لیجانے
پر اصرار نہ کرو۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ دستخط ہوئے
ہوں یا نہ ہوئے ہوں یہ شرط ہمارے درمیان تقریباً طے شدہ
تھی اِس لئے اے محمد! معاہدہ کی پابندی کا یہ آپ کا پہلا
امتحان ہے۔

دیکھو اس کے مُنہ سے یہ کیسی احمقانہ بات نکلی وہ جو
تعلیمِ اخلاق کی الف ب نہ جانتا تھا استادِ کامل کا امتحان لینے
کی باتیں کر رہا تھا لیکن آنحضورؐ نے اس کی اس جہالت کو نظر انداز
فرماتے ہوئے بڑی نرمی کے ساتھ اُسے فرمایا سہیل جانے بھی
دو چھوڑو اِن باتوں کو۔ دیکھو اور نہیں تو میری خاطر ہی اِتنی
سی بات مان جاؤ کہ اپنے بیٹے کو میری امان میں آنے دو لیکن
افسوس کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل جیتنے والے اندازِ طلب
نے بھی اس کے سینے کے پتھر پر اثر نہ کیا۔ کاش وہ ایسا کرتا تو
اس کے دُنیا و آخرت سنور جاتے۔ یہ لمحہ تاریخ کے ان
معدودے چند لمحات میں سے ایک تھا کہ جب آنحضورؐ نے
کسی سے اپنی ذات کا واسطہ دے کر کسی کے لئے رحم کی اپیل
کی ہو لیکن اس نے نہ سمجھنا تھا نہ سمجھا۔ پس آنحضورؐ نے مزید
اصرار نہ فرمایا اور اس کے مؤقف کو تسلیم کر کے اپنے عمل سے
یہ ثابت کر دیا کہ اہلِ ایمان کے معاہدات کسی تحریر یا دستخط
کے پابند نہیں ہؤا کرتے بلکہ مؤمن کے مُنہ سے جو بات بھی
نکل جاتی ہے وہی پتھر کی لکیر اور لازوال اور اَنمٹ تحریر بن
جاتی ہے۔ آنحضورؐ کے لئے جذبات کی ہر قربانی ممکن تھی لیکن
یہ ممکن نہ تھا بخدا یہ ممکن نہ تھا کہ معاہدہ شکنی کرتے ہوئے
اپنے رحم و شفقت کے جذبات کی تسکین کرتے۔

جب یہ بات کُھل گئی کہ ابو جندلؓ کو بہر حال اپنے
شقی القلب باپ کی حراست میں جانا ہوگا تو اپنے بھیانک
مستقبل کے خیال سے اُس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور
ایک ایسی حرکت اس سے سرزد ہوئی کہ عام حالات میں وہ کبھی
ایسی حرکت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے یہ سمجھا کہ آنحضورؐ تو مجھے پناہ
نہیں دیتے ہاں صحابہؓ کا یہ جھرمٹ جن کی آنکھیں میرے لئے
اشکبار اور خون آلودہ ہیں شاید یہی مجھے پناہ دے دیں پس
اس نے آخری اپیل آنحضورؐ سے نہیں بلکہ صحابہؓ سے کی اور
بڑی گریہ و زاری کے ساتھ ان کی منت کرنے لگا کہ دیکھو! اپنے
مظلوم اور لاچار اور ستم رسیدہ بھائی کو بھیڑیوں کے مُنہ میں
واپس نہ بھیجو۔

یہ ابو جندل کی کم فہمی تھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ صحابہؓ
اپنے امام سے آگے بڑھ کر کسی کو بچانے کی کوشش کرتے انکو
تو تعلیم ہی پیچھے چلنے کی تھی۔ ان کی تو زندگی کا انحصار اِس
بات پر تھا کہ قدم قدم محمد مصطفےٰؐ کے پیچھے پیچھے چلیں پس کوئی
ٹس سے مس نہ ہؤا۔ کہیں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ہاں حضرت علیؓ
کا قلم بوجھل دل کے ساتھ پھر حرکت میں آیا اور معاہدہ کی رُکی
رُکی تحریر پھر سے چل پڑی۔ تب آنحضورؐ نے ابو جندل کو مخاطب

کر کے فرمایا جاؤ اور اللہ پر توکل رکھو وہ تمہارے لئے کوئی نجات کی صورت نکالے گا۔

ابو جندل چلے گئے لیکن ایک دل میں کھٹکنے والی بات پیچھے چھوڑ گئے۔ اس بات کو پڑھ کر آج بھی تعجب ہوتا ہے کہ آخر انہیں کیا سوجھی کہ آنحضورؐ کو چھوڑ کر براہِ راست صحابہؓ سے اپیل کرنے لگے۔ لیکن نہیں اس حالت میں یقیناً وہ بے بس اور بے اختیار تھے شاید مصائب کی شدت نے انہیں مختل کر دیا تھا اور وہ بے سوچے سمجھے اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے جیسے ڈوبتا ہوا تنکوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے اگر سوچ کی ادنیٰ سی قوت بھی ان میں ہوتی تو وہ یقیناً جان لیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر صحابہؓ نے بھلا اُن پر کیا رحم کرنا تھا رحم کی تعلیم تو دبستانِ محمدؐ ہی سے انہوں نے پائی تھی۔ نرمی اور شفقت اور رافت کے سبق تو خود آنحضورؐ نے ہی انہیں پڑھائے تھے جب تک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز نے انہیں دل نہ عطا کئے ان کے سینوں میں بھی تو ویسے ہی پتھر دفن تھے جیسے اس کے باپ سہیل کے سینہ میں تھا۔ وہ بھول گیا کہ آج ان پتھروں سے جو رحمت کے چشمے پھوٹتے ہوئے اس نے دیکھے وہ آنحضورؐ کی لمس کا ہی تو کرشمہ تھا۔ اسے یاد نہ رہا کہ یہ ہمدردی کے پتلے جنہیں آج وہ اصحابِ محمدؐ کی صورت میں دیکھ رہا ہے کل تک وہی صحرائے عرب کے وحشی ہی تو تھے جو اپنی ہی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ تک نہ گرتا تھا۔

ابو جندل کی اس نادانی پر کوئی شکوہ نہیں کیونکہ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے ہاں وہ ابو جندل اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے جو ہاتھوں میں زنجیریں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے گرتے پڑتے واپس مکہ کی طرف جا رہے تھے۔

پس معاہدہ کی یہ شرط کہ قریش میں سے جو بھی مسلمان ہو کر محمد مصطفےٰ کی پناہ میں آنا چاہے گا اُسے واپس لوٹا دیا جائے گا صحابہؓ کے دل پر سب سے زیادہ شاق گزری اور اسے حد سے زیادہ کمزوری اور ذلت کا نشان سمجھا گیا لیکن بہت جلد آنے والے دنوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ شرط صحابہؓ کی کمزوری اور ذلت کا نہیں بلکہ قریشِ مکہ کی کمزوری اور ذلت کا نشان بننے والی تھی۔ صلح حدیبیہ کو زیادہ دیر نہ گزری کہ مکہ کے ایسے مظلوم مسلمان جنہیں مدینہ میں پناہ نہ مل سکتی تھی ابو البصیر کی سرکردگی میں جمع ہونے لگے۔ ابو جندلؓ بھی انہی نوجوانوں میں سے ایک تھا جس کے لئے محمد مصطفےٰؐ کی دعا سے خدا تعالیٰ نے یہ سبیل نکالی تھی۔ یہ مقام اس شاہراہِ عرب پر واقع ہے جو مکہ سے گزر کر شام کی طرف جاتی ہے اور دونوں کے درمیان تجارتی گزرگاہ ہے۔ پس وہ نوجوان جو اسلام قبول کر لیتے وہ بھاگ کر اس مقام پر جمع ہو جاتے اور قریش سے اُن کے مظالم کا بدلہ اس طرح لیتے کہ جب موقع پاتے ان کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے۔ نومسلم مہاجرین کا یہ گروہ قریشِ مکہ کے لئے ایک ایسی مصیبت بن گیا کہ اُن کے دل کا چین اُٹھ گیا اور راستے کا امن برباد ہو گیا۔ مسلمانوں کے لئے تو حدیبیہ کی صلح حقیقتاً امن کا پیغام لائی لیکن قریشِ مکہ کے لئے بدامنی اور بے چینی کا ایک در کھول دیا جو دن بدن اور کشادہ ہوتا جا رہا تھا۔ پس وہی شرط جسے صحابہؓ اپنی ذلت کا نشان سمجھے بیٹھے تھے دیکھتے دیکھتے کفار کی ذلت کا نشان

بن گئی اور حد درجہ ذلیل ہوکر اور گر گر کر خود انہی کو آنحضورؐ سے یہ درخواست کرنی پڑی کہ خدا کے لئے معاہدہ کی اس شرط کو منسوخ سمجھیں اور اپنے نومسلموں کو اپنے پاس بُلا لیں۔ پس اس پہلو سے بھی صلح حدیبیہ آنحضورؐ کے لئے محض ایک صلح نہیں بلکہ فتحِ مُبین ثابت ہوئی۔

آخری بات

واقعاتِ حدیبیہ کا بغور جائزہ لیں تو آخری بات یہی نتھر کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ حدیبیہ کی جنگ تیروں اور تلواروں اور نیزوں اور برچھیوں سے نہیں لڑی گئی اور انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اس میں نہیں بہایا گیا تاہم یہ ایک جنگ تھی جو بڑی شدت اور زور کے ساتھ انسانوں کے سینوں میں لڑی گئی۔ یہ جنگ نفس اور ضبطِ نفس کی جنگ تھی۔ یہ جنگ رضائے خویش اور مرضئ خدا کی جنگ تھی۔ اقتلوا انفسکم کا حکم جاری تھا۔ ہر طرف آرزوؤں کے سر کاٹے جا رہے تھے اور اُمنگوں کے سینے پھاڑے جا رہے تھے۔ بلاشُبہ نفسِ انسانی کا اِس موقع پر ایسا قتال ہُوا کہ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لیکن خدا کی قسم! اس فتحِ مُبین کا سہرا تمام تر محمد مصطفٰےؐ کے سر تھا۔ یہ آپؐ ہی تھے جنہوں نے بار ہار گرتے ہوئے صحابہؓ کو سنبھالا اور لڑکھڑاتے ہوئے جسموں کو سہارا دیا۔ یہ آپؐ ہی تھے جنہوں نے ان کے اُکھڑتے ہوئے قدموں کو ثبات بخشا اور گرتی ہوئی ہمتوں کو اُبھارا۔ ہاں یہ آپؐ ہی تھے۔ آپؐ نے دلوں کو ڈھارس دی تو دل سنبھلے۔ آپؐ نے حوصلہ دلایا تو حوصلے پیدا ہوئے۔ آپؐ نے ان کی رُوحوں کو ہلاکت سے بچایا اور ان کے ایمانوں کو نئی زندگی بخشی۔ وہ غلام جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہم تیرے آگے بھی لڑیں گے تیرے پیچھے بھی لڑیں گے۔ تیرے دائیں بھی لڑیں گے اور تیرے بائیں بھی لڑیں گے۔ یہ کیسا دِن طلوع ہُوا کہ آج خدا کا وہی برگزیدہ رسول اُن کے آگے بھی لڑ رہا تھا اور اُن کے پیچھے بھی لڑ رہا تھا۔ اُن کے دائیں بھی لڑ رہا تھا اور اُن کے بائیں بھی لڑ رہا تھا اور شیطانی وساوس اور تاریک گمانوں کے چو طرفہ حملہ سے ان کی حفاظت فرما رہا تھا۔

بلاشُبہ یہ آنحضورؐ کی رفعتِ شان اور عظمتِ کردار کا ایک عظیم معجزہ تھا کہ ایک غیر متزلزل عزم اور آہنی ارادہ کے ساتھ ان کے نفوس کی باگیں تھامے ہوئے تھے۔

میدانِ اخلاق کا یہ بے مثل شہسوار اس روز ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہُوا۔

پس تعجب نہیں کہ ربّ المجد والعُلیٰ نے آپؐ کو عظیم الشّان خلعتوں سے نوازا۔ اکرام پر اکرام کیا اور اِنعام پر اِنعام فرمایا اور پیار کا ایسا اظہار کیا کہ کسی آقا نے کسی پیارے غلام سے کیا ہوگا۔ وہ آپؐ سے ایسا راضی ہُوا کہ آپؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور آپؐ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔

پھر سب سے اوّل فتحِ مُبین کی خوشخبری کے لئے آپؐ ہی کو چُنا اور اس خطاب میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا

یعنی اے ہمارے بندے ہم نے یہ فتحِ مُبین تجھے عطا کی ہے پس دوسرے سب جشن منانے والے تیرے ہی واسطہ

اور تیرے ہی وسیلہ سے اس میں شریک ہوں گے۔

پھر یہ خوشخبری بھی سُنائی کہ وہ حج جو دُنیا کی نظر نے تجھے کرتے ہوئے نہیں دیکھا خدا کی نظر نے دیکھا اور اسے قبول کیا اور اس شان سے قبول کیا کہ کبھی کوئی حج ایسا قبول نہیں ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ قبولیتِ حج کے نشان کے طور پر دوسرے سب حجاج کے تو پچھلے سب گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن خدا نے آپؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ
وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔

یعنی اے ہمارے بندے ہم نے تیری پچھلی لغزشیں بھی معاف فرما دیں اور اگلی لغزشیں بھی معاف فرما دیں پس رب العزت کی نگاہ میں تیرا ماضی بھی پاک اور بے داغ ٹھہرا اور تیرا مستقبل بھی پاک اور بے داغ ٹھہرا۔ قیامت تک ظاہر بین آنکھوں کے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رضائے باری تعالیٰ کی خاطر نہ کئے ہوئے حج بھی کئے ہوئے ہر دوسرے حج پر سبقت لے جاتے ہیں۔ چشمِ بصیرت سے ذرا دیکھو تو سہی کہ آغاز بیت اللہ سے لے کر اِس دُنیا کے انجام تک کروڑوں اربوں انسانوں نے حج کیا اور حج کرتے رہیں گے حجاج کے بڑے بڑے قافلے طواف کرتے ہوئے اللہ کے گھر کے گرد گھومے اور گھومتے رہیں گے لیکن خدا کی قسم! کسی حج کرنے والے کا حج ایسا قبول نہیں ہوا نہ ہوگا۔ جیسا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حج جو بظاہر آپؐ نہ کر سکے۔

یہ وہ حج تھا جو مکہ میں نہیں بلکہ حدیبیہ کے میدان میں کیا گیا۔ یہ حج وہ تھا جس کے دوران بیت اللہ مکہ میں نہیں بلکہ حدیبیہ کی وادی میں دکھائی دیا۔ یہ وہ دن تھا جب ربّ کعبہ اپنی تمام شان اور تمام رعنائیوں کے ساتھ اس مقام پر جلوہ نما ہوا جہاں محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ خیمہ زن تھے۔ ہاں یہ وہی دن تھا جب عرشِ خداوندی اِس زمین پر اُتر آیا جو آسمانوں سے بلند تر اور روشن تر تھی۔ جہاں قلبِ مصطفویؐ نورِ ازلی کی تخت گاہ بنا ہوا تھا۔ جہاں رُوحِ محمدؐ عشق کا یہ سرمدی نغمہ الاپتے ہوئے طواف کر رہی تھی۔

لبّيك اللّهم لبّيك لا شريك لك
لبّيك ان الحمد و النّعمة لك
و الملك لا شريك لك لبّيك۔

تُو حبیبِ ربِّ کریم ہے تُو عجیب دُرِّ یتیم ہے
تیرے وصف کیسے بیاں کروں تُو جہاں میں سب سے عظیم ہے

تُو وجودِ حق کی دلیل ہے تُو دعائے قلبِ خلیلؑ ہے
تیری ذات خاتمِ انبیاء۔ تیرا نُور سب سے قدیم ہے

تُو جمالِ حق کا ہے آئینہ۔ تُو حریمِ راز کا آشنا
تُو کلی کلی کی ہے آرزو۔ تُو چمن چمن کی نسیم ہے

میری شاعری کا ظہور تُو۔ میرے علم و فن کا شعور تُو
تیری آرزو میری زندگی۔ تُو ہی میری عقلِ سلیم ہے

تُو نے بے کسوں کو ردائیں دیں۔ تُو نے دشمنوں کو دعائیں دیں
تُو کرم کا ایک سحاب ہے۔ تیرا خُلق خُلقِ عظیم ہے

تیری بات بات ہے معتبر۔ تیرا ہاتھ نبضِ حیات پر
تُو ہر ایک جاں کا طبیب ہے۔ تُو ہر ایک دِل کا حکیم ہے

تُو نظر سے کتنا ہی دُور ہو میرے قلب سے ہے قریب تر
تیرا ذِکر مرہمِ قلب و جاں۔ تیری یاد بُوئے شمیم ہے

نہیں فکرِ ثاقبؔ بے نوا۔ جو کہے زمانہ بُرا بھلا
تُو اُسی کا ہے۔ تُو اُسی کا ہے وہ جو رحمتوں کا قسیم ہے

ثاقب زیروی

حضرت بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدہا کی جانوروں پر شفقت اور رحمت

(مکرم چوہدری عبد المالک صاحب شاہد۔ بانڈونگ۔ انڈونیشیا)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ (پ ۹ ع ۹) کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا اظہار اس کے نیک اور پاک بندوں کے ذریعہ سے ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کا مظہر اوّل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنا کر دُنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کی زندگی کے جس پہلو پر بھی غور کریں آپ ہمہ تن رحمت ہی رحمت ہیں اور آپ عَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور انہی اخلاقِ فاضلہ اور وسیع رحمت کی تعلیم آپ نے اپنی اُمّت کو فرمائی ہے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ یعنی جو مخلوقِ خدا پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی سفر میں جا رہا تھا جبکہ اُسے بہت پیاس لگی۔ اُس نے ایک کنواں دیکھا اُس میں اُترا اور پانی پیا۔ پھر جب وہ باہر آیا تو ایک کُتے کو ہانپتے دیکھا جو پیاس کی وجہ سے مٹی کھا رہا تھا۔ اُس نے کہا اِس کُتّے کو بھی پیاس کی ویسی ہی شدت اور تکلیف ہے جیسی مجھے تھی۔ پھر وہ کنوئیں میں اُترا اور اپنے موزہ میں پانی بھرا اور اُس کے مُنہ کو بند کیا اور لا کر کُتّے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اِس بات کو پسند فرمایا اور اُسے بخش دیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہمارے لئے جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر جاندار کے ساتھ (نیک) سلوک کرنے کا ثواب ہے۔

حضرت بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدہا کو جہاں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت کرنے کا اعزاز حاصل تھا وہاں آپ کی ذات میں بے شمار خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھیں۔ آپ اسلامی تعلیم، احکامِ شریعت اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل پیرا تھیں۔ اور آپ کی ذات میں انسانوں کے علاوہ باقی جانداروں کے لئے بھی رحمت اور شفقت کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ اور آپ ایک مشفق و مہربان ماں کی طرح جانوروں کے ساتھ بھی شفقت و مہربانی کا سلوک فرماتی تھیں اور اس کی حقیقت ایک واقعہ سے ظاہر ہے جس کا میرے دل پہ گہرا اثر ہے اور میرے دل سے ہمیشہ ان کے لئے دُعائیں نکلتی رہیں گی۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ انڈونیشیا میں بطور خدمتِ دین آنے سے چند یوم قبل عزیزی محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب

سلمہ اللہ تعالیٰ نے اِس عاجز کو ازراہِ شفقت و ذرّہ نوازی اپنے دولت خانہ پر جو قصرِ خلافت کا ایک حصہ ہے کھانے کے لئے مدعو فرمایا۔ محترم صاحبزادہ صاحب کی رہائش گاہ پر جانے کیلئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے صحن میں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد خاکسار نے صاحبزادہ صاحب سے جانے کی اجازت مانگی۔ صاحبزادہ صاحب نے اجازت دینے سے قبل باہر صحن میں جا کر دیکھا کہ کوئی صحن میں تو نہیں۔ تا کہ پردہ کروالیا جائے۔ صاحبزادہ صاحب نے دیکھا کہ امی جان صحن میں پرندوں کو خوراک ڈال رہی ہیں اور اُن کو بُلا بُلا کر اُن کے آگے دانے وغیرہ ڈال رہی ہیں۔ اُن جانوروں میں کوّے، شارکیں اور چڑیاں وغیرہ شامل تھیں محترم صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ امی جان پردہ کرلیں میرا ایک مہمان ہے اُس نے جانا ہے۔ حضرت بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ہاں وہ چلا جائے مگر احتیاط سے جائے اور اِس بات کا خیال رہے کہ میرے پرندوں کو نہ اُڑائے۔ محترم صاحبزادہ صاحب کے ذریعہ مجھے یہ پیغام سُن کر احساس ہُوا کہ حضرت بیگم صاحبہ روزانہ ہی اِن جانوروں کو خوراک دیتی ہیں۔ اور آپ کے اِس فقرہ سے کہ "میرے پرندوں کو نہ اُڑایا جائے"، آپ کا مخلوقِ خدا کے ساتھ رحم اور پیار کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آیا کہ بے شمار گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ آپ کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی شریکِ حیات ہونے کی وجہ سے بہت سی جماعتی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوتی ہیں، ان سب کے باوجود آپ مخلوقِ خدا کا بھی اِس قدر خیال رکھتی ہیں کہ اپنے ہاتھ سے ان کو خوراک کھلاتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا فِیْ جَنَّۃِ النَّعِیْمِ ؕ

غزل

پروفیسر
چوہدری
محمد علی صاحب

سپنوں میں بادلوں کی بارات لے کے آنا
سوکھے سمندروں سے خیرات لے کے آنا

جب قرب کی قیامت برپا ہو جسم و جاں میں
دو چار ہجر کے بھی لمحات لے کے آنا

ترتیل سے کریں گے ہر زخم کی تلاوت
آنا تو زندگی کی تورات لے کے آنا

داخل نہ ہو سکو گے سچّوں کی سلطنت میں
پلکوں پہ کوئی سچّی سوغات لے کے آنا

پیاسوں کی التجا ہے اے پانیوں کے مالک
دشتِ نجف میں اب کے برسات لے کے آنا

فرقت کے فاصلوں میں اس عہد کی ہے عادت
جو دن کو چھین لینا وہ رات لے کے آنا

صحرا کا جن سے مل کر چہرہ اُتر نہ جائے
آبادیوں سے ایسی عادات لے کے آنا

اے رات کے مسافر اس سانولے سفر میں
سورج نہ مل سکیں تو ذرّات لے کے آنا

جنسِ وفا کو لے کر جب آئیں آنے والے
لازم نہیں ہے اُن پر کچھ ساتھ لے کے آنا

پہچاننے میں مضطر دقّت نہ ہو کسی کو
آنکھوں میں آنسوؤں کی آیات لے کے آنا

مرسلہ:۔ مہتمم تربیت خدام الاحمدیہ مرکزیہ

اسلام میں اخلاق اور عہد کی اہمیت

(محترم نذیر احمد صاحب خادم چک 18/7-R ضلع بہاولنگر)

ہمارے جان و دل سے محبوب آقا و امام سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ الودود نے پندرھویں صدی ہجری کے پہلے عظیم الشان اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پر اپنے رُوح پرور اور بصیرت افروز خطابات میں دینِ خیرالرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر اور ہمہ جہتی غلبہ کے سلسلہ میں احمدی نوجوانوں پر عاید ہونے والی عظیم ذمہ داریوں کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ اس ضمن میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ذہنی، جسمانی، روحانی اور اخلاقی استعدادوں کی نشوونما اور اہمیت و افادیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور واضح فرمایا کہ اِن انسانی استعدادوں کے کمالِ نشوونما کے بغیر ہم اُن ذمہ داریوں اور فرائض کو صحیح رنگ میں ادا نہیں کر سکتے جو دینِ متین کے کامل غلبہ کے سلسلہ میں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ ذہنی آوارگی سے بچے بغیر نہ انسان کی صحت ٹھیک رہ سکتی ہے اور نہ ہی اخلاقی و روحانی استعدادوں کی نشوونما ہو سکتی ہے۔ اسی پس منظر کی روشنی میں آپ نے خدام کو ایک عظیم الشان اور پُرعظمت عہد کرنے کا ارشاد فرمایا اور حکم دیا کہ ہر مجلس خدام الاحمدیہ میں تین سے لے کر نو کی تعداد تک ایسے خدام ہونے چاہئیں جو یہ عہد کریں کہ:۔

"مر جائیں گے لیکن کبھی بھی بداخلاقی نہیں کریں گے"۔ اور "جان دے دیں گے اور کسی اور کو بداخلاقی نہیں کرنے دیں گے"۔

جس مجلس خدام الاحمدیہ میں تین سے کم خدام ہیں وہ سب کے سب عہد کرنے کے پابند ہوں گے۔

اس عہد کی ضرورت و اہمیت اور عظمت کے بارے میں چند باتیں اپنے خدام بھائیوں کی خدمت میں پیش ہیں:۔

پہلی بنیادی بات دینِ حق (اسلام) میں اخلاق کو جو اہمیت دی گئی ہے اُس کے ذکر سے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارے ہادیٔ اعظم رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم ع۱)

"اور تو (یعنی تیری تعلیم اور تیرا عمل) نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر قائم ہے۔"

اور پھر آپ کے ماننے والوں کو یہ بات تاکیداً ذہن نشین کروائی گئی ہے کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

"یقیناً (اس عظیم صاحبِ اخلاق) رسول کی

(عملی زندگی میں) تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے"۔

پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے رسول! تو اس بات کا اعلان کردے کہ اے لوگو! فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ تم میری اتباع کرو۔ میرے نقش قدم اور اخلاقی نمونہ پر چلوگے تو خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔

اسلام میں بنیادی اہمیت اخلاق کو دی گئی ہے اور حقیقی عبادت کا تصور یہی ہے کہ انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اخلاقی و عملی نمونہ کو اپنا کر تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مصداق بن جائے اور اس کی ہر حرکت و سکون، ہر مرضی اور ارادہ رضائے الٰہی کے تابع ہوجائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقَ

یعنی مجھے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم و تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں کثرت کے ساتھ اخلاق کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ چند ارشادات نبویؐ ملاحظہ ہوں:۔

(۱) اَکْمَلُ الْاِیْمَانِ اَحْسَنُھُمْ خُلْقًا

(ریاض الصالحین)

"لوگوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں"۔

(۲) مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلْقِ (ابوداؤد)

"قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں حسن اخلاق سے بڑھ کر وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی"۔

(۳) اَکْثَرُ مَا یُدْخِلُ الْجَنَّۃَ تَقْوَی اللّٰہِ وَحُسْنُ الْخُلْقِ (الادب المفرد)

"جنت میں لے جانے کی موجب سب سے زیادہ دو ہی چیزیں ہوں گی۔ ایک اللہ کا تقویٰ، دوسری اچھے اخلاق"۔

پس ثابت ہوا کہ اخلاق فاضلہ و حسنہ کے قیام اور بداخلاقی والی گندی زندگی پر موت وارد کئے بغیر ایمان و صالح اعمال کا درخت سرسبز و شاداب اور ثمر آور نہیں ہو سکتا اور اخلاقی اقدار سے غفلت برتنے والی قوم دین و دنیا میں کوئی کامیابی و ترقی تو کیا حاصل کرسکے گی الٹا اپنی حیات و بقا سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ پس احمدی نوجوان جنہوں نے اپنے پیچھے کھڑے اطفال کو اپنا نمونہ پیش کرنا اور اپنی روایات منتقل کرنا ہیں ان پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو ہر اخلاقی بے راہ روی سے پاک کریں، ہر اخلاقی حسن اور خوبصورتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ہر نقش منور سے اپنی عملی زندگی کو آراستہ کریں کہ تا وہ بچے جنہوں نے ان سے نمونہ لینا ہے وہ حسن اخلاق کی خوشبو اور پاکیزہ اعمال کے حسین پھولوں کی مہک ان سے حاصل کریں اور اخلاق محمدی کا جھنڈا اپنے کامل حسن اور کامل نور کے ساتھ ایک کے بعد دوسری نسل کے ہاتھوں میں آتا اور انتہائی بلندیوں پر لہراتا چلا جائے۔ اس ذمہ داری کو سمجھنے اور کمال ہمت و مستعدی سے انجام دیتے چلے جانے کی صورت میں ہی دنیا کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب اخلاق محمدی اور صداقت اسلام کے انوار سے جگمگا ئیں گے۔ انشاءاللہ القدیر۔

دوسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ ایفائے عہد اور عہد کی اہمیت سے متعلق ہے۔ معاشرہ میں جن امور کے اپنانے یا ترک کرنے سے انسانی عزت و وقار میں فرق آتا ہے اُن میں ایفائے عہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قول و قرار کی پاسداری اور کئے ہوئے وعدہ کی پابندی ایک ایسی خوبی ہے جو انسان کو معاشرہ میں محبوبی عطا کرتی اور عزت و اعتماد قائم کرتی ہے لیکن عہد شکنی، عہد فراموشی کا عادی لوگوں کی نظروں سے گر جاتا اور اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ قرآن مجید میں قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بار بار عہد شکنی کرنے کی وجہ سے موردِ غضب و لعنت قرار دیا ہے اور بار بار عہد شکنی کرنے پر اس کی مذمت فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ (البقرہ ع ۱۲)

کہ جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک فریق نے عہد شکنی کی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایفائے عہد کی خصوصی تاکید فرمائی اور حکم دیا:-

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۴)

ترجمہ:- "اور اپنے عہد کو پورا کرو (کیونکہ) ہر عہد کی نسبت یقیناً (ایک نہ ایک دن) جواب طلبی ہوگی۔"

کامل نیک لوگوں کی ایک صفت کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:-

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ (البقرہ ع ۲۲)

"اور اپنے عہدوں کو جب بھی (کوئی) عہد کر لیں پورا کرنے والے (کامل نیک ہیں)۔

پھر فرمایا:-

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المومنون ع ۱)

"اور وہ لوگ (یعنی کامل مومن) اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔"

زمانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر دیگر شرائط کے ساتھ زبانی طور پر یہ شرط بھی طے پا گئی (حالانکہ یہ معاہدہ ضبطِ تحریر میں لا کر اس پر دستخط کرنا ابھی باقی تھے اور باقاعدہ معاہدہ کی شکل اس نے اختیار نہ کی تھی) کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ جائے تو مسلمان اُسے واپس مکہ بھیج دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے (ترکِ اسلام کر کے) مکہ چلا جائے تو قریش مکہ اُسے واپس نہیں کریں گے۔ اس اثناء میں سہیل بن عمرو جو کفارِ مکہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا تھا کا لڑکا ابو جندل مسلمان ہو کر اور کفار کی طرف سے شدید ایذائیں سہنے کے بعد کسی طرح وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور حدیبیہ کے مقام پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پناہ کا طالب ہوا لیکن سہیل نے شور مچانا شروع کر دیا کہ نہیں شرط طے پا گئی ہے پس مسلمان میرے بیٹے کو میرے حوالے کر دیں اور مکہ واپس بھیج دیں۔ ابو جندل کی دردناک داستانِ ظلم و ستم سُن کر مسلمانوں نے تلواریں بے نیام کر لیں اور کہا کہ نہیں ہم اسے واپس نہیں کریں گے لیکن اخلاق کے معلمِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے درد بھرے دل کے ساتھ فرمایا کہ:-

"اے ابو جندل! صبر کرو اور اللہ سے اجر کے اُمیدوار ہو کر واپس جاؤ) اللہ

تمہارے لئے کشائش اور نجات کے سامان پیدا کر دے گا (بس تم جاؤ) کیونکہ اِنَّا قَدْ عَقَدْنَا صُلْحًا وَ اِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ "ہم نے صُلح کا عہد کر لیا ہے اور اب ہم عہد شکنی نہیں کریں گے۔"

خدام بھائیو! غور کرو کہ ہمارے محبوب آقا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (جن کی اُمّت اور غلامی میں ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے) ایفائے عہد اور پابندیٔ وعدہ کی کیسی روشن اور عدیم النّظیر مثال قائم فرماتے ہیں کہ ایک طرف ابوجندل جو مسلمان ہو کر ملّتِ اسلامیہ کے جسدِ واحد کا ایک عضو بن چکا ہے اپنی پُردرد داستانِ مظالم سُنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طالبِ پناہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف اُس کی حالتِ زار دیکھ کر اور اُس کی الم انگیز داستانِ درد سُن کر صحابہ کرامؓ کا خون کھول اُٹھا ہے اور ابوجندل کو ہر قیمت پر پناہ دینے کے لئے تلواریں بے نیام کر لی ہیں۔ ایسی عظیم آزمائش اور درد و کرب کی فضا میں وہ عظیم و رحیم آقا جسے ربِّ کریم نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کی سند عطا فرمائی ہے ابوجندل کو یہ کہتے ہوئے اُن درندوں کے حوالے کر دیتا ہے کہ "ہم نے صُلح کا عہد کر لیا ہے اب ہم عہد شکنی نہیں کریں گے۔"

اے خدامِ احمدیت! اِن اخلاق کریمانہ اور اوصاف و اخلاقِ نبویؐ کا جھنڈا اب تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے سرنگوں نہ ہونے دینا، اسے کسی قیمت پر نیچا نہ ہونے دینا تم نے اپنے آقا کے ارشاد پر خدا کے حضور یہ عہد کیا ہے کہ:- "مر جائیں گے لیکن کبھی بھی بد اخلاقی نہیں کریں گے۔"

برطانوی آئین کی ایک دلچسپ روایت

(محترم عبد الرحمٰن شاکر۔ ربوہ)

رسالہ "خالد" بابت ماہ جنوری، فروری ۱۹۸۲ء میں چوہدری کریم الدین صاحب نے انگلستان کے آئین پر بہت ہی اختصار سے تبصرہ کیا ہے مگر اصل چیز تشنۂ تکمیل رہ گئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ انگلستان میں بادشاہ (یا ملکہ) کی حیثیت محض ایک سربراہ کی ہے تمام اختیارات وزیر اعظم اور دار العوام (House of Commons) کے ہیں۔ بے شک دار الامراء بھی موجود ہے مگر وہ بھی عوام کے نمائندوں کے پاس کردہ بلوں کو رد نہیں کر سکتے۔ عام مقولہ ہے کہ The King can do no harm یعنی بادشاہ ہر الزام سے بری ہے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کیوں بادشاہ سے تمام اختیارات چھین لئے گئے ہیں اور یہ کب واقع ہوا؟

اس کا پتہ لگانے کے لئے ہم کو آج سے ۳۴۳ برس پیچھے جانا پڑے گا جب انگلستان میں بادشاہ چارلس اول حکمران تھا۔

ویسے تو چارلس بڑا معقول اور شریف آدمی تھا۔ اچھا لکھا پڑھا تھا مگر اس نے اپنی پارلیمنٹ کے مشوروں پر کبھی بھی عمل نہ کیا۔ پارلیمنٹ کو صرف اس وقت طلب کرتا جب اسے روپے کی ضرورت ہوتی یا نئے ٹیکس عائد کرنے ہوتے۔ اس کے بعد پارلیمنٹ برخاست ہو جاتی۔ تیسری دفعہ جو پارلیمنٹ آئی اُسے بجٹ وغیرہ کی منظوری کے بعد ۱۱ سال تک مطلق نہیں پوچھا۔

بیدار مغز سمجھ دار لوگوں نے کئی دفعہ بادشاہ سے زبانی بھی اور تحریری بھی درخواستیں کیں کہ حضور اپنے غلاموں کو امورِ سلطنت میں مشورہ کے لئے طلب فرمائیں مگر اس نے بے رُخی کی۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں بادشاہ سے کدورت پیدا ہونے لگی۔ ایک دن بادشاہ کو بتایا گیا کہ آج پارلیمنٹ میں آپ کے خلاف تقاریر ہوں گی۔ بادشاہ عین اجلاس کے وقت ایک دستہ فوج کا لیکر گیا اور سیدھا ہاؤس کا منز میں گھس گیا۔ سپیکر کو حکم دیا کہ فلاں فلاں پانچ ممبران کہاں ہیں؟ اُن لوگوں کو بھی علم ہو گیا تھا کہ بادشاہ ہمیں گرفتار کرنے آ رہا ہے وہ پہلے ہی بھاگ کر روپوش ہو گئے تھے سپیکر جس کا نام enthall تھا نہایت ادب سے کرسی صدارت سے اُٹھا اور بادشاہ کے قدموں میں سر جھکا کر کہنے لگا کہ :-

"Sire The birds have flown away."

حضور! وہ پرندے تو اُڑ گئے۔ بادشاہ غم و غصہ سے واپس

چلا گیا۔

اُس دن سے انگلستان میں رواج ہے کہ جس وقت پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا ہو بادشاہ دار العوام میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ یہ رسم اب بھی دُہرائی جاتی ہے یعنی جب بادشاہ/ملکہ نے دار العوام اور دار الامراء کو خطاب کرنا ہوتا ہے تو بادشاہ کا ملازم آتا ہے تو دار العوام کے دروازہ کو تالا لگا دیتے ہیں۔ وہ تین دفعہ دستک دیتا ہے تو پھر کھولتے ہیں۔ اس ایلچی کو Black Rod کہتے ہیں۔

اب بادشاہ اور اُس کے مخالفین میں ٹھن گئی مخالفین کے سرکردہ آلیور کرامویل (Oliver Cromwell) اور اُس کا ایک قریبی عزیز جو مشہور زمیندار تھا جان ہیمپڈن (John Hampden) تھے۔ قصہ مختصر انگلستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جو ۱۶۴۲ء سے ۱۶۴۹ء تک جاری رہی۔

شروع میں بادشاہ اور اُس کے حامی امراء کا پلّہ خوب بھاری رہا مگر بادشاہ کے سپاہی دبنے لگے اور ساتھ ہی روپیہ پیسہ ختم ہو گیا تو ملکہ ہنریٹا (Henretta) جو فرانس کے بادشاہ کی بیٹی تھی انگلستان کے شاہی جواہرات تاج برطانیہ اور دیگر قیمتی نوادرات کو فرانس اور ہالینڈ میں رہن رکھ کر روپیہ لے آئی۔ وہ بھی ختم ہو گیا تو بادشاہ شمال میں سکاٹ لینڈ چلا گیا مگر وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی اور ایک شخص نے مخبری کر کے بادشاہ کو مخالفین کی فوج کے حوالے کر دیا۔

ویسٹ منسٹر ہال لندن میں فوجی عدالت قائم ہوئی۔ بادشاہ کو الزام پڑھ کر سنائے گئے تو اُس نے کہا کہ تم تو میرے ملازم ہو تم کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ اپنے بادشاہ پر مقدمہ چلاؤ۔ بادشاہت تو آسمان عطا کرتا ہے اور کوئی نہیں جو مجھے اِس اعزاز سے بے دخل کرے۔ بے شک مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں گی مگر تم کون ہوتے ہو مجھ پر مقدمہ کرنے والے؟۔ اِس کو بادشاہ کے الفاظ میں Divine Right of Kings کہتے ہیں۔

فوجی پہلے ہی بادشاہ سے بیزار تھے اُنہوں نے ایک نہ سُنی اور ۲۷ جنوری ۱۶۴۹ء کو موت کی سزا سُنا دی۔

اِس خوف سے کہ بادشاہ کے حامی شاید آخری مرتبہ اُسے چھڑانے کی کوشش کریں اُس کو عام دروازے سے نہیں بلکہ کھڑکی میں سیڑھی لگا کر نیچے اُتارا اور قریب ہی قتل گاہ میں لے گئے۔ یہ ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء منگل کا دن تھا۔ بڑی سخت سردی تھی۔ شاہی لباس اُتار دیا گیا۔ بادشاہ نے دو قمیصیں پہنی ہوئی تھیں ایک اُتروالی گئی اور جلّاد نے لکڑی کے کندے پر گردن رکھنے کا اشارہ کیا۔

بادشاہ نے اُس وقت بڑی متانت اور وقار[1] سے مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ میں انگلستان کی آزادی کے لئے جان دے رہا ہوں۔ جلّاد نے کلہاڑا چلایا۔ گردن کٹ کر نیچے گر گئی۔ خون کے دھارے بہنے لگے تو تمام مجمع سے آہوں اور سسکیوں کا شور اُٹھا۔ جلّاد نے کٹا ہوا سر اُٹھا کر سب کو دکھایا اور کہا۔

"His head is off"

---

[1] بادشاہ چارلس کی آخری گھڑیوں کے متعلق ایک انگریز شاعر نے حسب ذیل شعر کہا ہے ؎

He nothing common did or mean
upon this

عین اُس وقت آسمان سے برف گرنی شروع ہو گئی۔ انگریز بہت توہّم پرست قوم ہے۔ حاضرین کی اکثریّت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے بڑی بھاری غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے ایک بے گناہ شخص کو مار ڈالا ہے۔ آسمان تو گواہی دے رہا ہے کہ اُس کا دامن برف کی طرح بے داغ تھا۔

اُس دن سے انگریزوں نے یہی مناسب سمجھا کہ اب کسی بادشاہ کو قتل نہیں کرنا۔ اس کے اختیارات چھین لیئے جائیں تاکہ نہ وہ غلطی کرے اور نہ ہم اسے کوئی سزا دیں۔ ہوتے ہوتے اب یہ حالت ہے کہ بادشاہ/ملکہ محض ایک علامتی عہدہ ہے جس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ تمام اختیارات عوام کے نمائندوں کے ہیں جو وزیراعظم اور اس کے ساتھ وزیروں کو مشورہ دیتے رہیں اور وہ امورِ سلطنت سرانجام دیتے ہیں۔ بادشاہ محض دستخط کر دیتا ہے۔

چارلس کے قتل کے ۲۳۷ سال بعد ————

۱۸۸۶ء میں جب ملکہ وکٹوریہ حکمران تھیں تو اُن کو ایک خط ملا جو کسی ہسپتال سے ایک مریض عورت نے لکھا تھا کہ ملکہ معظمہ مجھے ہسپتال میں آکر مل جائیں ایک قیمتی امانت اُن کے سپرد کرنی ہے۔ مَیں قریب المرگ ہوئی چاہتی ہوں کہ یہ متاع اُن کے سپرد کر جاؤں۔ دو تین خط آئے تو ملکہ وکٹوریہ نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری Sir Henry Ponsonby کو بھیجا کہ اس عورت سے دریافت کرے کہ کیا بات ہے۔

اس مریضہ نے کہا کہ جس وقت چارلس اوّل کو قتل کیا گیا تو اُس کے آباء میں سے ایک شخص بادشاہ کا خادم خاص تھا وہ قریب کھڑا تھا۔ جب جلاد نے کلہاڑا چلایا تو گردن کی ایک ہڈی اُڑ کر نیچے پُرالی پر گری جسے اُس نے اُٹھا کر محفوظ کر لیا۔ وہ میرے پاس ہے مَیں اسے ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ میں دینا چاہتی ہوں۔ خود آئیں اور وہ ہڈی لے لیں۔

پرائیویٹ سیکرٹری نے جا کر ملکہ کو سارا واقعہ بتایا۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ وہ ہڈی میرے پرائیویٹ سیکرٹری کو دیدے وہ مجھے دیدیں گے۔ اور اپنے بڑے بیٹے پرنس ایڈورڈ آف ویلز سرہنری پونسنبی اور اُس وقت کے ہوم سیکرٹری کو حکم دیا کہ تینوں سینٹ جارج کے گرجا میں (جو ونڈسر کیسل کے اندر ہے) اُس کے تہہ خانے میں سے چارلس اوّل کا تابوت نکلوائیں مُہریں توڑ دی جائیں اور اگر فی الواقعہ گردن کی ہڈی کا ایک ٹکڑہ غائب ہو تو اس ہڈی کو نہایت احترام سے وہاں چپکا دیا جائے۔

جب تابوت نکال کر دیکھا تو واقعی ہڈی غائب تھی۔ بادشاہ کی نعش بالکل اُسی طرح پڑی ہوئی تھی جس طرح کہ ۲۳۷ سال پہلے رکھی تھی اور اس کی شکل ذرا بھی مسخ نہ ہوئی تھی۔ ہڈی کو پیوست کر کے تابوت پھر سے تہہ خانے میں رکھدیا گیا۔

اُس زمانہ سے انگلستان کا کوئی بادشاہ (خواہ وہ کتنا ہی خراب ہو) قتل نہیں کیا گیا صرف اسکے اختیارات سلب کر لئے گئے۔ اُسے امورِ سلطنت میں اُس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، وزیراعظم اور کابینہ سیاہ کریں سفید کریں صُلح کریں جنگ کریں۔ یہ بات کسی تحریر میں نہیں آئی مگر اس پر عمل ہو رہا ہے۔ تاہم انگلستان کے بے اختیار بادشاہ کی لوگوں کے دلوں میں بے حد وقعت اور عزت اور احترام ہے۔ مشہور ہے کہ انگلستان میں چار چیزوں کا بڑا احترام ہے:۔

۱۔ بادشاہ سلامت ۲۔ فٹ بال ۳۔ کرکٹ ۴۔ اور چائے ۔

رپورٹ آٹھواں سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ

آٹھویں سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ پر تشریف لانے والے احباب کی خدمت میں دوپہر کا کھانا دیا گیا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت تشریف لا کر اسے رونق اور برکت بخشی۔ اس موقعہ پر صدر محترم خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے جو رپورٹ پیش کی وہ درج ذیل ہے ۔۔۔۔۔ (ادارہ)

سیدی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جماعت احمدیہ کا قیام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو تمام دنیا میں پھیلانا ہے، اس لئے ہمارے تمام امور دین سے وابستہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ کا اصل مقصد اشاعتِ اسلام کی خاطر تمام تر استعدادوں کو اجاگر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کی خاطر گھوڑوں کو پالنا، اور پالنے کی ترغیب دلانا ہے:۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ۔

یاد کر جب اُن کے سامنے شام کے وقت اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پیش کئے گئے تو اُنھوں نے کہا کہ میں دنیا کی اچھی چیزوں سے اس لئے محبت رکھتا ہوں کہ وہ میرے رب کی مجھے یاد دلاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی پیارا ارشاد ہے:۔

اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

یعنی گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر و برکت رکھی گئی ہے۔

اس ٹورنامنٹ کا آغاز خلیفۃ ذوالقرنین کی ہدایت پر ۱۹۷۳ء میں ہوا۔

ہم حضور کے خدام، اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمیں حضور کی تحریک کو عملی شکل دینے میں اپنے فضل سے کامیابی عطا فرمائی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری حقیر کوشش اور جدوجہد میں حضور کی توجہ، دعا، راہنمائی، ہدایات اور مشورے مشعلِ راہ رہے۔ یہ سراسر حضور کا پیار اور شفقت ہے۔

اس ٹورنامنٹ کے لئے خطوط، سرکلر، ملاقاتیں

اور دَوڑیں کئے گئے۔ اس مرتبہ باوجود موسم خراب ہونے کے ٹورنامنٹ کی تاریخ میں سب سے زیادہ گھوڑے شامل ہوئے۔ گزشتہ سالوں میں زیادہ سے زیادہ ۴۴ گھوڑے تھے اور اس دفعہ بفضلِ الٰہی ۵۵ گھوڑے شامل ہوئے۔

سب سے زیادہ گھوڑے شامل کرنے والی جماعت **اُدِّرحمہ** ضلع سرگودھا ہے جس کے ۱۳ گھوڑے شامل ہوئے۔ اور سب سے زیادہ گھوڑے لانے والا ضلع **سرگودھا** ہے جس کے ۷۰ گھوڑے شامل ہوئے۔

خاکسار انتہائی عاجزی سے حضور کی خدمت میں اس ٹورنامنٹ میں شامل ہونے والے، ٹورنامنٹ کو کامیاب کرنے والے اور کارکنان کے لئے دُعا کی درخواست کرتا ہے۔

ہم یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں کہ مکرم صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب نے اپنی والدہ حضرت سیّدہ منصورہ بیگم نوّر اللہ مرقدہا کی طرف سے ایک ٹرافی خیلُ لِلرَّحمٰن کلب کو دی ہے۔

اس ٹرافی کی مستحق وہ جماعت ہوگی جس کے سوار ٹورنامنٹ میں مجموعی لحاظ سے سب سے زیادہ انعام حاصل کریں گے ؟

نصیر احمد صاحب قمر

جستہ جستہ

● حضرت مصلح موعود نے فرمایا:۔

"مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سرعت کے ساتھ جماعت کی ترقی کے دروازے کُھل رہے ہیں اور وہ چیز جو ہمیں دُور نظر آتی تھی بہت جلد آنے والی ہے جس رنگ میں لوگوں میں بیداری اور توجہ پیدا ہو رہی ہے وہ بتاتی ہے کہ یوسفِ گم گشتہ کی خوشبو اب آ رہی ہے۔ یہ ہماری ہی کوتاہی اور غفلت ہوگی کہ ہم قافلہ نہ لے جائیں اور وہاں سے یوسف کو اپنے گھر نہ لے آئیں۔"

(مصباح۔ فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

● ادبِ عربی کا نامور عالم جاحظ کتاب کے متعلق لکھتا ہے:۔

"کتاب کا حاصل کرنا جیسا آسان اور ارزاں ہے اُس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس میں تاریخ اور سائنس کے عجائبات درج ہوتے ہیں۔ اس میں ہمیں صحیح الدماغ لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اور دانشوروں کے تجربات مل جاتے ہیں۔ اس سے ہماری پیشیں رو نسلوں اور دُور دراز ممالک کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ ایسا مہمان کہاں مل سکتا ہے جو یا تو آپ کے ساتھ ایک قلیل مدت قیام کرے یا سائے کی طرح آپ کے ساتھ رہے یا پھر آپ کے جسم کا جزو بن جائے۔ جب تک آپ چاہیں کتاب خاموش رہتی ہے۔ جب آپ کوئی بات کرنا چاہیں تو فصاحت و بلاغت کے ساتھ بولنے لگتی ہے۔ اگر آپ کسی کام میں مصروف ہوں تو وہ آپ کی مصروفیت میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ اگر آپ تنہائی کا احساس چاہتے ہیں تو وہ آپ کی شفیق جلیس و ہمدم ثابت ہوتی ہے۔ وہ ایسا دوست ہے جو آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیتا نہ آپ کی خوشامد و چاپلوسی کرتا ہے اور ایسا دوست اور ساتھی ہے جو آپ سے کبھی ملولِ خاطر نہیں ہوتا۔" (الحیوان للجاحظ جلد ۱ صفحہ ۵۱)

● "ایک روز ایک شخص نے حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا کہ غریب نواز! جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ جس نے مجھے دیکھا

اُس نے گویا خداوند تعالیٰ کو دیکھا۔ ہمارا کیا حال ہو گا۔ ہم بیچارے کس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کریں ؟ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے دیکھ لو"
(تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح صـ۲۰۲)

● "فرمایا کہ ہم نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں قدم قرآن شریف پر پڑے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو مولوی محمد عابد صاحب سوکڑی رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر میرے ذہن میں اس طرح آتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو رسولِ خدا علیہ اکمل الصلوٰۃ و افضل التحیات کی ظاہری و باطنی متابعت بدرجۂ کمال عطا فرمائی ہے جس میں بال برابر فرق نہیں ہے"
(تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح صـ۲۱۵)

● حضرت خواجہ فریدالدین عطار (۵۱۳-۶۲۷ھ)
ابتداء میں ایک بڑے دواخانہ کے مالک تھے۔ ایک روز اپنے کاروبار میں تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر کچھ دلاؤ۔ یہ کچھ خبر نہ ہوئے۔ اُس نے صدا پر صدا لگائی اور جب دیکھا کہ کچھ اثر نہیں ہوتا تو بولا۔ ایسے دھندے میں لگے ہوئے، تو جان کیسے دو گے ؟ - یہ جھنجھلا کر بولے "جیسے تم دو گے"۔ فقیر نے کہا "بھلا میری طرح کیا دو گے ؟" یہ کہا اور سر کے نیچے کشکول رکھ کر لیٹ گیا۔ زبان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور رُوح پرواز کر گئی۔ شیخ کے قلب پر بڑا اثر ہوا۔ دواخانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا اور خود اُسی وقت سے درویشی اختیار کر لی۔

آپ کے مزاج میں خاکساری اور فروتنی حد درجہ کی تھی۔ اپنے کو سب سے زیادہ حقیر و ناچیز سمجھتے تھے۔ آپ کی شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو گرفتار کیا۔ ایک راہگیر نے بڑھ کر کہا "اس پیر مرد کو قتل نہ کر دینا، دس ہزار اشرفیاں نقد دیتا ہوں کہ ان کو چھوڑ دو"۔ شیخ نے کہا۔ خبردار! اتنے پر فروخت نہ کر دینا، مَیں اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں"۔ سپاہی خوش ہوا کہ دولت اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ آئے گی۔ آگے بڑھے ایک اور شخص ملا۔ اُس نے کہا کہ "میاں سپاہی اس بوڑھے کو مجھے دے ڈالو میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں"۔ شیخ بولے "ہاں دے ڈال، کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے"۔ سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ دس ہزار اشرفیاں ملتی ہوئی ہاتھ سے گئیں۔ جھلا کر وہیں معاً سر تن سے جُدا کر ڈالا۔

● نویں صدی ہجری کے بزرگ عالم ربانی حضرت ملّا نورالدین عبدالرحمان جامی رح اپنی تصنیف "لوائح" میں لائحہ سوم میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگران، تحریر فرماتے ہیں:۔

"زہے خسارت کہ تو دیدہ از لقائے او بر داشتہ سوئے دیگری نگری و طریق رضائے او بگذاشتہ راہ دیگری سپری"
یعنی کیسے افسوس کی بات ہے کہ تُو

اُس کے دیدار کو چھوڑ کر دوسروں کی جانب نظر رکھتا ہے اور اُس کی خوشنودی کے راستہ کو چھوڑ کر دوسروں کی راہ طے کر رہا ہے "

اِس کے بعد لکھتے ہیں ؎

با یار بہ گلزار شدم رہگزری
بر گُل نظرے فگندم از بیخبری
دلدار بہ طعنہ گفت شرست بادا
رخسارِ من ایں است تو در گُل نگری

مَیں (عاشق) ایک دن محبوب کے ساتھ سیرِ گلشن کو گیا اور وہاں اپنی حماقت سے پھُولوں کو دیکھنے لگا۔ اُس نے چڑھ کر کہا شرم نہیں آتی کہ میرے رخسار کے ہوتے ہوئے آپ نگاہ پھُولوں پہ دَوڑا رہے ہیں۔

● نفس کی شقاوت کی کوئی حد نہیں۔ انسان کی نظر سے دردانگیز واقعات کیسے کیسے ہر روز گزرتے ہیں پھر بھی اسے عبرت حاصل ہوتی ہے نہ نصیحت۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار اپنی کتاب "منطق الطیر" میں بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ایک بُوڑھے گورکن سے سوال کیا کہ "تمہاری تو عمر قبروں کے کھودنے میں گزری۔ یہ بتاؤ کیا کیا عجائبات نظروں سے گزرے ؟" جواب ملا کہ "سب سے بڑا عجوبہ یہ ہے کہ ستّر سال گورکنی کرتے ہوگئے اور اپنا ذلیل نفس ایک لمحہ کے لئے مُردہ نہ ہُوا اور ایک دفعہ بھی اطاعتِ (الٰہی) بجا نہیں لایا۔"

● تیسری صدی ہجری کے ابتداء میں ایک بی بی نفیسہ نام گزری ہیں جو اسحاق بن جعفر صادق کی بیوی تھیں۔ اُن کے زمانہ میں جب مصر کے بادشاہ کا ظلم حد سے بڑھا تو انہوں نے بادشاہ کے نام ایک رُقعہ لکھا جس کے اخیر میں اُنہوں نے لکھا :-

"اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَاِنَّا صَابِرُوْنَ وَجُوْرُوْا فَاِنَّا مُسْتَجِيْرُوْنَ وَ اظْلِمُوْا فَاِنَّا مُتَظَلِّمُوْنَ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ ـ"

اِس میں آخری جملہ سورۃ الشعراء کی آخری آیت کا ایک حصہ ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو ہم یقیناً صبر کرنے والے ہیں تم ستم ڈھالو ہم ستم برداشت کرنے والے ہیں۔ اور تم ظلم کرو ہم ظلم سہنے والے ہیں۔ اور جلد ہی ظالم لوگ ضرور جان لیں گے کہ کس مقام کی طرف اُن کو لَوٹ کر جانا ہوگا ؛

خدام الاحمدیہ ٹوکیو کا دلچسپ سائیکل سفر

(مکرم شاہد رضوان خان صاحب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ ٹوکیو۔ جاپان)

پیارے آقا حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی اس مبارک خواہش کی تکمیل میں کہ خدام زیادہ سے زیادہ سائیکل چلانے کی مشق کریں مکرم عطاء المجیب صاحب راشد نائب صدر خدام الاحمدیہ جاپان نے خدام الاحمدیہ ٹوکیو سے سائیکل سفر کا دلچسپ پروگرام بنانے کے لئے کہا۔ جماعت احمدیہ جاپان کے دوسرے سالانہ اجلاس کے اگلے روز یعنی ۲ صلح (۲ جنوری ۱۹۸۲ء) کو یہ سفر طے پایا۔ اس کے لئے ضروری تیاری کر لی گئی محترم قائد صاحب ٹوکیو نے اس سلسلہ میں فرائض تقسیم کر دیئے۔ ۲ جنوری صبح ساڑھے سات بجے شامل ہونے والے آٹھ خدام مشن ہاؤس پہنچ گئے۔ ورزش کے بعد امیر قافلہ (محترم نائب صدر صاحب) نے ضروری ہدایات دیں۔ دعا کروائی اور پھر یہ سائیکل سوار قافلہ ٹوکیو کے قریبی شہر متسودو (MATSUDO) کی جانب روانہ ہوا۔ رفتار کو کنٹرول کرنے کے لئے قائد قافلہ (جس سے آگے جانے کی اجازت نہ تھی) اور سائق قافلہ (جس سے پیچھے رہنے کی اجازت نہ تھی) مقرر کر دیئے گئے۔ صفات باری تعالیٰ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ جاپانی تہذیب اور ماحول کو سمجھنے کا موقع ملا۔

راستہ میں ایک بڑے پارک (MIZUMOTO PARK) میں ٹھہر کر ورزشی مقابلے کئے گئے۔ سب خدام نے مسابقت کی روح کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ یہ سب مقابلے سائیکل سے متعلق تھے۔ بعض مقابلے اس قدر دلچسپ تھے کہ جاپانی خواتین و حضرات دیکھ کر محظوظ ہوتے رہے۔ اس طرح اسلام اور احمدیت کے تعارف کا بھی موقع ملا۔ "بال کیچ" مقابلہ میں اول مکرم راشد صاحب اور منیب صاحب رہے۔ آہستہ سائیکل چلانے میں اول اسلم منیر صاحب اور سائیکل ریس اول جاوید نجیب صاحب رہے۔ پیغام رسانی میں راشد صاحب کی ٹیم اول رہی۔ اسی طرح پل پار کرنے کے مقابلہ میں اول نجیب صاحب اور دوم محمود صاحب رہے۔ "مطالعہ فطرت" کے عنوان سے مقررہ فارم پر اس سائیکل سفر کے دوران کئے جانے والے مطالعے کے متعلق خیالات کا اظہار کرنے پر خاکسار (شاہد رضوان) اول رہا۔ ورزشی مقابلوں کے بعد دریائے ایدوگاوا (EDOGAWA) کے کنارے بنی ہوئی پختہ پٹڑی پر چلتے ہوئے متسودو (MATSUDO) اور پھر اچی کاوا (ICHIKAWA) پہنچے۔ راستہ میں نماز ظہر و عصر باجماعت ایک کھلی جگہ ادا کیں۔ نئے سال کے تہوار کی خوشی میں مصروف جاپانی کثرت سے وہاں سے گزر رہے تھے۔ بلند آواز سے دی جانے والی اذان اور پھر راستہ میں نعرہ ہائے تکبیر اُن کی خاص توجہ کا باعث بنے۔ قدرے گنجان آباد علاقہ سے گزرنے کے بعد پھر دریائے

آرا کاوا (ARAKAWA) کے کنارے کنارے مشن ہاؤس کی طرف واپسی ہوئی۔ یہ سفر صبح آٹھ بجے شروع ہو کر شام ۵ بجے مشن ہاؤس میں ختم ہوا۔ اس پروگرام کے بنانے سے لے کر اختتام تک ہمیں جاپان کی مرکزی مجلس کے عہدیداران کا تعاون پوری طرح حاصل رہا اور اس طرح ہم تقریباً پچاس کلومیٹر کا سفر کامیابی کے ساتھ پورا کر سکے۔ خدام نے خندہ پیشانی اور جوش وخروش سے اس میں حصہ لیا۔

اُسی روز شام کے کھانے سے قبل مشن ہاؤس ٹوکیو میں انعامی تقریب منعقد ہوئی۔ محترم نائب صدر صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔

خدام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے اس سائیکل سفر پر خوشنودی کا اظہار کیا اور اسے ترقی کی طرف ایک "اچھا قدم" قرار دیا۔ آپ نے متعلقہ منتظمین خاص طور پر مکرم مبشر احمد صاحب زاہد قائد مجلس کی کوششوں کی تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سائیکل سفر بہت کامیاب رہا۔ نظم وضبط کے اعلیٰ معیار کے حامل سائیکل سوار قافلہ کا منظر اور خدا کے وجود سے بیگانہ ماحول میں اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کے نعروں کی یاد اب بھی روح میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے ؏

اعانت خالد

مکرم ظہیر الدین صاحب معز بیچے ضلع سیالکوٹ نے مبلغ دو صد روپے برائے اعانت خالد مرحمت فرمائے ہیں۔ احباب جماعت سے ان کیلئے اور ان کے اہل خانہ کے لئے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دینی و دنیوی ترقیات نوازے اور ان کے مال اور اخلاص میں برکت بخشے — (ادارہ)

مرتبہ: محمود احمد صاحب اشرف

اخبارِ مجالس

(نومبر ۱۹۸۱ء تا فروری ۱۹۸۲ء)

جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

● ماہ ربیع الاول کے دوران مجالس خدام الاحمدیہ نے جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہتمام اور عقیدت و احترام کے ساتھ منعقد کئے۔ جن مجالس کی طرف سے مرکز میں رپورٹیں موصول ہوئیں اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مجلس خدام الاحمدیہ قیادت ضلع قصور
۲۔ " " " دارالذکر فیصل آباد
۳۔ " " " مالو کے بھگت قلعہ کالروالہ ضلع سیالکوٹ
۴۔ " " " مردان
۵۔ " " " ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ
۶۔ " " " راولپنڈی صدر
۷۔ " " " بدوملہی ضلع سیالکوٹ
۸۔ " " " گوٹھ عزیز احمد

● مجلس خدام الاحمدیہ سرگودھا کی فٹ بال کی دو ٹیموں کے مابین یکم نومبر کو ایک دوستانہ میچ کھیلا گیا۔ ۱۳ر نومبر کو مجلس نے لجنہ اماء اللہ کے کلب کے لئے ایک قطعہ اراضی پر وقار عمل کر کے اُسے مٹی ڈال کر ہموار کیا۔ ۲ر دسمبر کو مجلس کے چودہ خدام نے ایک مختصر پیدل سفر کیا۔

● مجلس خدام الاحمدیہ کراچی صدر نے سابق قائد مکرم مرزا حفیظ الرحمٰن صاحب کے اعزاز میں الوداعی اور نئے قائد مکرم رانا افتخار احمد صاحب کے لئے استقبالیہ پارٹی ۱۰ر نومبر کو احمدیہ ہال میں دی۔

● مجلس خدام الاحمدیہ گوجرہ اور جڑانوالہ کے مابین میرو ڈبہ کا ایک دوستانہ میچ ۲۰ر نومبر کو کھیلا گیا۔ میزبانی کے فرائض مجلس جڑانوالہ نے انجام دیئے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ملتان شہر کے ۲۰ خدام و اطفال نے قائد مجلس کی قیادت میں دریائے چناب پر ایک پکنک منائی جس کے دوران مختلف تربیتی پروگرام بھی منعقد ہوئے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ہیجکہ بھیرہ ضلع سرگودھا کے قائد صاحب کی قیادت میں ایک مختصر وفد شیخوپورہ کے تبلیغی دورہ پر گیا۔ جہاں کئی معززین شہر کو جماعت کی مساعی کے بارہ میں بتایا گیا۔ نیز مجلس مذاکرہ کی صورت میں سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ اورنگی ٹاؤن کراچی نے ماہ نومبر میں دو وقار عمل کئے۔ ان میں دفتر مجلس اور مسجد احمدیہ کی صفائی کی گئی۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ننکانہ صاحب اور فضل عمر کلب مریدکے تحصیل جڑانوالہ کے مابین فٹ بال کا ایک دوستانہ میچ ۲۰ر نومبر کو کھیلا گیا۔ مجلس ننکانہ صاحب نے یہ میچ صفر کے مقابلہ

میں ایک گول سے جیت لیا۔

• مجلس خدام الاحمدیہ مردان نے ۲۷ نومبر کو ایک وقار عمل کیا۔ جس میں مسجد، دفتر اور مہمان خانے کی صفائی کے علاوہ مسجد سے ملحق گلی کی صفائی بھی کی گئی۔ ماہِ نومبر میں ہی مجلس نے اطفال کے لیے ایک تربیتی کلاس کا اہتمام کیا گیا۔

• مجلس خدام الاحمدیہ شاہدرہ ٹاؤن لاہور نے ۲۷ نومبر کو ایک تربیتی اجلاس منعقد کیا۔ جس میں ۳۰ غیر از جماعت احباب بھی شامل ہوئے۔ دوسرے پروگراموں کے علاوہ حضور ایدہ اللہ کے دورہ کی فلم بھی دکھائی گئی۔

• مجلس خدام الاحمدیہ فیکٹری ایریا شاہدرہ لاہور نے ۲۷ نومبر کو ایک کامیاب تربیتی کلاس منعقد کی جس میں ۳۰ خدام و اطفال شریک ہوئے۔

• مجلس خدام الاحمدیہ چک نمبر ۱۶۶ ضلع بہاولنگر نے ۲۷ نومبر کو مقامی قبرستان میں ایک وقار عمل کیا اور قبروں کو مٹی ڈال کر درست کیا گیا۔ خدام و اطفال کی حاضری ۴۰ رہی۔

• مجلس خدام الاحمدیہ کراچی صدر کا ماہانہ تربیتی اجلاس مورخہ ۲۹ نومبر کو منعقد ہوا۔

• مجلس خدام الاحمدیہ چک نمبر ۱۶۶ ضلع بہاولنگر نے ۲۱ دسمبر کو ایک وقارِ عمل کر کے ایک میل لمبی سڑک کی مرمت اور صفائی کی۔ خدام و اطفال کی حاضری ۷۰ فیصد رہی۔

• مجلس خدام الاحمدیہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ نے ۲۹ جنوری کو ایک شاندار وقارِ عمل میں ایک ۲۰۰ فٹ لمبی سڑک پر مٹی ڈال کر اُسے ہموار کیا۔

• مجلس خدام الاحمدیہ قیادت علاقہ بہاولنگر نے زیرِ اہتمام بین الاضلاعی ورزشی مقابلہ جات بمقام بہاولنگر شہر ۲۹ جنوری کو منعقد کیے۔

• مجلس خدام الاحمدیہ ضلع وہاڑی کے زیرِ انتظام ۱۹ فروری کو چک $\frac{543}{E-B}$ وہاڑی میں ورزشی مقابلہ جات ہوئے۔

• مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی کے زیرِ اہتمام پہلا "فضلِ عمر فٹ بال ٹورنامنٹ" مورخہ ۴ اور ۵ فروری کو کے۔ ایم۔ سی گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔ ٹورنامنٹ میں کراچی کی دس مجالس نے حصہ لیا اور یوں مجالس کی حاضری سو فیصد رہی۔ مجلس عزیز آباد نے ٹرافی جیت لی۔

قرارداد ہائے تعزیت

حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کی المناک رحلت پر دنیا بھر مجالس خدام الاحمدیہ کی طرف سے مرکز میں تعزیتی قرار دادیں موصول ہوئیں ذیل میں اُن مجالس کے نام دیئے جا رہے ہیں جن کی جانب سے قرار دہائے تعزیت مرکز میں موصول ہونے کے بعد ادارہ خالد تک پہنچ سکیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ بہاولنگر ضلع، ربوہ، ڈرگ روڈ کراچی، کینیڈا، مارٹن روڈ کراچی، نائیجیریا، کوٹلی آزاد کشمیر، سوسائٹی کراچی، سیالکوٹ، واہ کینٹ، بہاولنگر شہر، گلشن اقبال کراچی، پشاور، ضلع قصور، چک نمبر ۱۵۱ ضلع تھرپارکر سندھ، انگلینڈ، جھنگ صدر، راولپنڈی صدر، بدوملہی ضلع سیالکوٹ، اسلام آباد، نارووال ضلع سیالکوٹ، قیادت مغلپورہ لاہور، سمن آباد لاہور، قیادت مسجد نور راولپنڈی، ملتان شہر، شاہدرہ ٹاؤن، بہاولپور شہر و ضلع، مانچسٹر، ضلع لاہور، فیصل آباد، قصور شہر، جاپان، قیادت دہلی گیٹ لاہور، احمد نگر جھنگ، شیخوپورہ شہر و ضلع، نیلا گنبد لاہور

Monthly KHALID RABWAH

APRIL 1982 Regd No L 5830 Editor KHALID MASOOD

سال ۸۱-۱۹۸۰ء کے مقابلہ قیادت ہائے اضلاع خدام الاحمدیہ میں قیادت ضلع شیخوپورہ اول قرار پائی۔ سالانہ اجتماع ۱۹۸۱ء کے آخری روز مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو مکرم ملک خالد محمود صاحب قائد ضلع شیخوپورہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک سے انعامی شیلڈ حاصل کرنے [illegible] کر رہے ہیں۔

(دائیں سے بائیں) معین احمد صاحب جنجوعہ (نائب نیشنل قائد) محمد الیاس خان صاحب (سیکرٹری مال) عبدالوحید خان صاحب (نیشنل قائد) منیر الدین صاحب شمس (نائب صدر و مشنری انچارج کینیڈا) چوہدری نصیر احمد صاحب (ریجنل قائد مشرقی ریجن) خالد اقبال صاحب قریشی (قائد خدام الاحمدیہ ٹورانٹو) کلیم اللہ صاحب فیضی (نیشنل جنرل سیکرٹری)